کرشن چندر کے افسانے

بگھت رام

ابھي ابھي ميرے بچے نے ميرے بائيں ہاتھ كي چھينگليا كو اپنے دانتوں تلے داب كر اس زور سے كاٹا كہ ميں چلائے بغير نہ رہ سكا اور غصے ميں آكر اس كے دو تين طمانچے بھي جڑ دئيے ہيں، بيچارہ اسي وقت سے ايک معصوم پلے كي طرح چلا رہا تھا، يہ بچے كم بخت ديكھنے سے كتنے نازک ہوتے ہيں، ليكن ان كے ننھے ننھے ہاتھوں كي گرفت بڑي مظبوط ہوتي ہے، ان كے دانت يوں تو دودھ كے ہوتے ہيں، ليكن كاٹنے ميں گلہيروں كو بھي مات كرتے ہيں، اس بچے كي معصوم شرارت سے معا ميرے دل ميں بچپن كا ايک واقعہ ابھر آيا ہے، اب تک ميں اسے بہت معمولي واقعہ سمجھتا تھا اور اپني دانست ميں اسے قطعا بھلا چكا تھا، ليكن ديكھئے يہ لاشعور كا بھي كس قدر عجيب ہے، اس كے سہارے ميں بھي كيسے كيسے عجائب مستور ہيں، بظاہر اتني سي بات ہے كہ بچپن ميں نے ايک دفعہ اپنے گائوں كے ايک آدمي بگھت رام كےبائيں ہاتھ كا انگھوٹھا چبا ڈالا تھا، اور اس نے مجھے طمانچے مارنے كے بجائے سيب اور آلوچے كھلائے تھے اور بظاہر ميں اس واقعہ كو اب تک نہيں بھول چكا ہوں، ليكن ذرا اس بھان متي كے بارے پٹارے كي بواالعجياں ملاحظہ فرمائيے، يہ معمولي سا واقعہ اک خوابيدہ ناگن كي طرح ذہن كے پشتارے ميں دبا ہے اور جونہي ميرا بچہ ميري چھنگليا كو دانتوں تلے دباتا ہے اور ميں اسے پيٹتا ہوں، يہ پچيس تيس سال كا سويا ہوا ناگ بيدار ہوجاتا ہے، اور پھن پھيلا كر ميرے ذہن كي چار ديواري ميں لہرانے لگا، اب كوئي اسے كس طرح مار بھگائے، اب تو اسے دودھ پلانا ہوگا، خير تو وہ واقعہ بھي سن ليجئے، جيسا كہ ميں

يہ پچيس تيس سال كا سويا ہوا ناگ بيدار ہوجاتا ہے، اور پھن پھيلا كر ميرے ذہن كي چار ديواري ميں لہرانے لگا، ابكوئي اسے كس طرح مار بھگائے، اب تو اسے دودھ پلانا ہوگا، خير تو وہ واقعہ بھي سن ليجئے، جيسا كہ ميں ابھي عرض كرچكا ہوں يہ ميرے بچپن كا واقعہ ہے جب ہم لوگ رنگپور كے گائوں ميں رہتے تھے، رنگپور كا گائوں تحصيل جوڑي كا صدرمقام ہے اس لئے اس كي

حیثیت اب ایک چھوٹے موٹے قصبے کي ہے، لیکن جن دنوں ہم وہاں رہتے تھے، رنگپور کي آبادي بہت زیادہ نہ تھي، یہي کوئي ڈھائي تین سو گھر ہوں گے، جن میں بیشتر گھر برہنموں اور کھتریوں کے تھے، دس بارہ گھر جلاہوں اور کمہاروں کے ہوں گے پانچ چہ بڑھئي اتنے ہي چمار اور دھوبي اور یہي سارے گائوں میں لے دے کے آٹھ دس گھر مسلمانوں کے ہوں گے لیکن ان کي حالت نگفتہ بہ تھي، اس لئے یہاں تو ان کا ذکر کرنا بھي بیکار سا معلوم ہوتا ہے۔
گائوں کي برادري کے مکھیا لالہ کانشي رام تھے، یوں تو براہني سماج کے اصولوں کے مطابق برداري کا مکھیا کسي براہمن ہي کو ہونا چاہئیے تھا اور پھر برہنموں کي آبادي بھي گائوں میں سب سے زیادہ تھي اس پر برادري نے لالہ کانشي رام کو جو ذات کے کھتري تھے، اپنا مکھیا چنا تھا، پھر وہ سب سے زیادہ لکھے پڑھے تھے، یعني شہر تک پڑھے تھے، جو خط ڈاکیہ نہیں پڑھ سکتا تھا، اسے بھي وہ اچھي طرح پڑھ لیتے تھے، تمسک ہنڈي، نالش، سمن ، گواہي، نشان دہي کے علاوہ نئے شہر کي بڑي عدالت کي ہر کاروائي سے وہ بخوبي واقف تھے، اس لئے گائوں کا ہر فرد اپني ہر مصیبت میں چاہے وہ خود لالہ کانشي رام ہي کي پیدا کردہ ہو، لالہ کانشي رام ہي کا سہارا ڈھونڈتے تھے، اور لالہ جي نے آج تک اپنے کسي مقروض کي مدد کرنے سے انکار نہ کیا، اسي لئے وہ گائوں کے مکھیا تھے، گائوں کے مالک تھے اور رنگ پور سے باہر بھي دور دور تک جہاں تک دھان کے کھیت دکھائي دیتے تھے، لوگ ان کے گن گاتے تھے۔
ایسے شریف لالہ کا منجلہ بھائي لالہ بانشي رام، جو اپنے بڑے بھائي کے ہر نیک کام میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا، لیکن گائوں کے لوگ اسے اتنا اچھا نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ اس نے اپنے برہمن دھرم کو تیاگ دیاتھا، اور گورونانک جي کے چائے ہوئے پنتھ میں شامل ہو گیا تھا، اس نے اپنے گھر میں ایک چھوٹا سا گورودوارہ بھي تعمیر کرایا تھا اور ان کے شہر سے ایک نیک صورت، نیک طینت، نیک سیرت، گرنتھي کو بلا کر اسے گائون میں سکھ کے پرچار کیلئے مامور کردیاتھا۔۔لالہ کانشي رام کے سکھ بن جانے سے گائوں میں جھٹکے اور حلال کا سوال پیدا ہوگیا تھا۔ مسلمانوں اور سکھوں کے لئیے تو گویہ یہ اک مذہبي سوال تھا، لیکن بھیڑ بکریوں اور مرغے مرغیوں کیلئے تو زندگي اور موت کا سوال تھا، لیکن انسانوں کے نقار خانے میں جانوروں کي کون سنتا ہے۔

لالہ بانشي رام کے چھوٹے بھائي کا نام تھا بگھت رام، یہ وہي شخص ہے جس کا انگوٹھا میں نے بچپن میں چبا ڈالا تھا، کس طرح یہ تو میں بعد میں بتائوں گا، ابھي تو اس کا کردار دیکھئے، یعني کہ سخت لفنگا، آوارہ بدمعاش تھا یہ۔۔۔
شخص نام تھا بگھت رام لیکن دراصل یہ آدمي رام بگھت رام نہیں شیطان کا بگھت تھا، رنگ پور کے گائوں میں آوارگي، بدمعاشي ہي نہیں، ڈھٹائي اور بے حیائي کا نام اگر زندہ تھا محض بگھت رام کے وجود سے ورنہ رنگپور تو ایسي

شریف روحوں کا گائوں تھا کہ غالبا فرشتوں کو بھي وہاں آتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہوگا، نیکي پاکیزگي اور عبادت کا ہلکا سا نور گویا ہر ذي نفس کے چہرے سے چھنتا نظر آتا تھا، کبھي کوئي لڑائي نہ ہوتي تھي، فرقہ وقت پر وصول ہوجاتا تھا، ورنہ زمین قرق ہوجاتي تھي اور لالہ کانشي رام پھر روپیہ دے کر اپنے مقروض کو کام پر لگا دیتے تھے، مسلمان بچارےاتنے کمزور تھے اور تعداد میں اس قدرکم تھے کہ ان میں لڑنے کي ہمت نہ تھي، سب بیٹھے مسجدوں کے مناروں اور اسکے کنگروں کو خاموشي سے تکا کرتے کیونکہ گائوں میں انہیں اذان دینے کي بھي ممانعت تھي، کیروں اور اچھوتوں کا سارا دھندا دو جنمے لوگوں سے وابستہ تھا اور وہ چوں تک نہ کرسکتے تھے، اس کے علاوہ انہیں یہ احساس بھي نہ ہوتا تھا کہ زندگي اس کے علاوہ کچھ اور بھي ہوسکتي ہے بس جو ہے وہ ٹھیک ہے، یہي مسلمان سمجھتے تھے، یہي براہمن ، یہي کھتري---ہي چمار اور سب مل کر بگھت رام کو گالیاں سناتے تھے کیونکہ اس کي کوئي کل سیدھي نہ تھي۔
بگھت رام لٹھ گنوا تھا، بات کرنے میں اکھڑا دیکھنے میں اکھڑ، گندھـــناتراش، بڑے بڑے ہاتھ پائوں بڑے بڑے دانت بتیسي ہر وقت کھلي لبوں سے رال ٹپکي ہوئي جب ہنستا تو بتیسي مسوڑھوں کي بھي پوري پوري نمائش ہوتي۔

گائوں میں ہر شخص کا سر گھٹا ہوا تھا اور ہر ہندو کے سر پر چوٹي تھي، لیکن بگھت رام نے بلوچوں کي طرح لمبےلمبے بال بڑھالئے تھے اور چوٹي غائب تھي بالوں میں بڑي کثرت سے جوئیں ہوتیں، جنہیں وہ اکثر گھراٹ کے باہر بیٹھ کر چنا کرتا تھا، سرسوں کا تیل سر میں دو تین بار رچایا جاتا، گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے اور بیچ میں سے سیدھے مانگ نکال کر اور زلفین سنوار کر ہ سر شام گائوں کے چشموں کا طواف کیا کرتا، اپني ان بري حرکتوں سے کئ بار پٹ چکا تھا لیکن اس کا اس پر کوئي اثر نہ ہوتا تھا، بڑي موٹي کھال تھي اس کي اور پھر اس میرا خیال ہے کہ اس کے شعور میں ضمیر کي آگ کبھي روشن نہ ہوئي تھي، وہ شراہ بیدار تھا، جو حیوان کو انسان بنادیتا ہے، بگھت رام سو فیصد حیوان تھا اور اسي لئے گائوں والے برہمن اور کھتري، امیر اور غریب ہندو اور مسلمان اور سنار اور چمار سب اس سے نفرت کرتے تھے۔
لین چونکہ لالہ کانشي رام کا چھوٹا بھائي تھا، اور بظاہر گائوں کے سب سے بڑے گھر کا ایک معزز فرد، اس لئے اپني ناپسندیدگي کے باوجود گائوں کے لوگ اس کے وجود کو اور اس کے وجود کت مزبوحی حرکات کو برداشت کرتے تھے، اور آج کرتے چلے آئے تھے، لیکن جب رنگ پور میں آئے اس وقت بگھت رام کے بڑے بھائي نے پریشان ہوکر اسے اپنے گھر سے نکال دیا تھا، توي کا یاک گھراٹ اس کے سپرد کردیا تھا، جہاں بگھت رام رہا کرتا تھا، اور وہ رات کو سوجاتا بھي وہیں تھا، کیونکہ گھراٹ تو دن رات چلتا تھا، نہ جانے کس وقت کسے آٹا پسانے کي ضرورت پیش ہو اور وہ چادر میں یا بھیڑ کي کھال میں کئي یا گندم کے دانے گھراٹ پر چلا آئے اور پھر اس کے علاوہ

یہ بھي تو ہے کہ دن بھر میں جوگہیوں جمع ہوتا ہے یا اناج ابھي پسا نہیں جاتا وہ ہیں، گھراٹ پر دھرا رہتا ہے اور اس کي نگہباني کیلئے بھي تو ایک آدمي کا وہاں موجود ہونا ضروري ہے، یہي سوچ کر لالہ منشي رام کا گھراٹ گائوں میں سے سے نامي گھراٹ تا، یعني تقریبا سارے گائوں کا اناج وہیں پسوایا جاتا تھا، ایک اور گھراٹ بھي تھا، لیکن بالعموم مسلمانوں ، اچھوتوں اور کمیروں کیلئے اناج جہاں پسایا جاتا تھا، جب کبھي بڑا گھراٹ چلتے چلتے رک جاتیاور اس کي مہیب چکي کام کرنے سے انکار کر دیتي یا جب پاٹوں کي سطح پر پتھریلے دندانے بنانے کیلئے انہیں الٹا دیا جاتا۔

تو اس صورت میں دوسرے گھراٹ والوں کو چند روز کیلئے اچھي آمدني ہوجاتي تھي، بصورت دیگر بڑے گھراٹ پر گاہکوں کي بھیڑ لگي رہتي، جب بڑا گھراٹ چلتا تھا، اس وقت کسي مسلمان، کسي کمیرے، کسي اچھوت، کي یہ جرات نہ تھي، جرات توکیا کبھي ان کے ذہن میں یہ خیال بھي نہ آیا تھا، کہ ان کا اناج کبھي بڑے گھراٹ پر پس سکتا ہے، شروع شروع میں جب بگھت رام نے کام سنبھالا تو اس نے چند روز تک یہي وطیرہ اخیتار کیا، لیکن بعد میں اسے مزاج کے لاابالي پن نے بلکہ یوں کہئے کہ شیطاني پن نے زور مارا اور اس نے سوچا جي کیا ہے اس میں جو آئے ، آٹا پسا کر لے جائے، ان پتھرون کے دو پاٹوں میں دھرا ہي کیا ہے، اور یہ آخر اناج ہي تو ہے، جسے کتا بھي کھاتا ہے اس سے گھراٹ کي آمدني میں اضافہ بھي ہوگا، دسرے گھراٹ بالکل ہي بند ہوجائے نہ جانے اس نے کیا سوچا، بہر حال اس نے کوئي ایسي ہي بات سوچي ہوگي، جو اس نے گائوں کے چماروں اور کمیروں کو بھي اپنے گھراٹ پر سے آٹا پسانے کي دعوت دي، پہلے تو لوگوں نے بڑي شد و مد سے انکار کیا، بھلا ایسا بھي ہوسکتا ہے کیا کہتے ہو لالہ ہم رعیت، ہیں تم راجہ ہو، یہ تمہارا گھراٹ ہے، ہمارا گھراٹ ہے، ہم بھلا یہاں آٹا پسانے کیوں آئیں گے نا بابا نہ یہ کام ہم سے نہ ہوگا، اور جو چاہے ہم سے کام لے لو یہ کام ہم سے نہ ہوگا، لیکن بگھت رام نے آخر اپني چلاکیوں سے ان بیچارون کو پھسلا ہي لیا اور انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اناج اسي کے گھراٹ پر لایا کریں گے وہیں پسایا کریں گے۔

بھلا ایسي بات بھي برادري میں چھپي رہ سکتي ہے، برادري میں اک کہرام مچ گیا، چہ میگو ئیاں ہونے لگیں، ہر روز بگھت رام سے لڑائي ہونے لگي، تگڑا آدمي تھا، اس لئے گالیاں سہہ گیا ہنس ہنس کر ٹالتا تھا، پھر اسے غصے میں آکر دو چار کو پیٹ دیا، پھر ایک دن خود پٹ گیا، یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے لالہ کانشي رام کے پاس پہنچا، انہوں نے بگھت رام ک بلا کر ڈانٹا سمجھایا ٹھنڈے دل نرمي سے پچکار کر باتیں کیں، اونچ نیچ سمجھائي لیکن جس دل میں کمینہ پن ہ وہ دھرم کرم کي بات کب سننے گا۔

ايراني پلائو

آج رات اپني تھي، کيونکہ جيب ميں پيسے نہيں تھے، جب جيب ميں تھوڑے سے پيسے ہوں رات مجھے اپني نہيں معلوم ہوتي، اس وقت رات ميرين ڈرائيو پر تھرکنے والي گاڑيوں کي معلوم ہوتي ہے، جگماتے ہوئے فليٹوں کي معلوم ہوتي ہے ، ايمبسڈر کي چھت پر ناچنے والوں کي معلوم ہوتي ہے ، ليکن آج رات بالکل اپني تھي، آج رات آسمان کے سارے ستارے اپني تھے اور بمبي کي ساري سڑکيں اپني تھيں، جب جيب ميں تھوڑے سے پيسے ہوں تو سارا شہر اپنے اوپر مسلط ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے، ہر شے گھورتي ہے ڈانٹتي ہے، اپنے آپ سے دور بيٹھنے پر مجبور کرتي اوني پتلون سے لے کر خوش نما ريڈيو پروگرام تک ہر چيز کہتي ہے ، مجہ سے دور ہو، ليکن جب جيب ميں ايک پائي نہ ہوتو سارا شہر اپنا بنا ہوا معلوم ہو تا ہے ، اس کے ہر کھمبے پر گويا لکھا ہوتا تھا تعمير کيا گيا برائے بشن ايک قافہ مست صنف، اس دن نہ حوالات کا کارڈ ہوتا ہے نہ گاڑي کي لپٹ ميں آجانے کا، نہ ہوٹل ميںکہانے کا، ايک ايسي وسيع بےفکري اور بے کنار فاقي مستي کا نشہ آور موڈ ہوتا ہے، جوميلون تک پھيلتا چلاجارہے ، اس رات ميں خود نہيں چلتا ہوں اس رات بمبئي کي سڑکيں مجھے اٹھائے اٹھائے چلتي ہيں اور گليوں کے موڑ پر اور بازاروں کے ٹکڑ اور بڑي بڑي عمارتوں کےتاريک کونے مجھے خود دعوت ديتے ہيں ادھر آؤ ہميں بھي ديکھو ہم سے ملو، دوست تم آٹھ سال سے اس شہر ميں رہتے ہوں ، ليکن پھر بھي اجنبيوں کي طرح کيوں چل رہے ہو، ادھر آؤ ہم سے ہاتھ ملاؤ

يہاں بھي ايک متحاني لمہے کي جھجک کے بعد وہ لوگ ميري طرف ديکھ کر مسکرائے، ايک لڑکے نے مجھ سے کہا، آؤ بھائي تم بھي يہاں بيٹھ جاؤ اور اگر گانا چاھتے ہو تو گاؤ۔
اتنا کہہ کر اس نے دبلے پتلے لڑکے نے اپنےسر کے بال جھٹک کے پيچھے کر لئيے اور اپنا لکڑي کے بکس کا طبلہ بجانے لگا، ہم سب لوگ مل کر پھرگانے لگے۔
تيرا ميرا
ميرا تيرا
پيار ہوگيا
يکايک اس دبلے پتلے لڑکے نے طبلہ بجانا بند کرديا اور اپنےايک ساتھي کو جو اپني گردن دونوں ٹانگوں ميں دبائے اکڑوں بيٹھا تھا، ٹہو کا دے کے کہا، ابے مدھو بالا تو کيوں نہيں گاتے۔
مدھو بالا نے اپنا چہرہ ٹانگوں ميں بڑي وقت سے نکالا، اس کا چہرہ مدھو بال ايکٹرس کي طرح حسين نہيں تھا، ٹھوڑي سے لے کر دائيں ہاتھ کي کہني تک آگ سے جلنے کا ايک بہت بڑا نشان يہاں سے وہاں تک چلا گيا تھا، اس کے

چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے، اس کي چھوٹي چھوٹي آنکھوں میں جو اس کے گول چہرے پر دو کالي درزیں معلوم ہوتي تھیں انتہائي پریشاني جھلک رھي تھي، اس نے اپنے ھونٹ سیکڑ کر طبلے والے سے کہا سالے
مجھےرھنے دے میرے پیٹ میں درد ھو رھا ھے۔
کیوں درد ھوتا ھے ، سالے تونے آج پھر ایراني پلاؤ کھایا ھوگا؟
مدھو بالانے بڑے دکھ سے سر ہلایا، ہاں وھي کھایا تھا۔
کیوں کھایا تھا سالے
کیاکرتا ، آج صرف تین جوتے بنائے تھے
جو عمر میں ان سب سے بڑا معلوم ھوتا ھے تھا، جس کي ٹھوڑي پر تھوڑي داڑي اگي تھي اور کنپٹیوں کے بال رخساروں کي طرف بڑھ رھے تھے اپني ناک کھجاتے ھوئے کہا، اے مدھو بالا، اٹھ میدان میں دوڑلگا ، چل میں تیرے ساتھ دوڑتا ھوں ، دو چکر لگانے سے پیٹ کا درد ٹھیک ھوجائے گا۔

نہیں بے رھنے دے
نہین بے سالے اٹھ، نہیں تو ایک جھانپڑ دوں گا۔
مدھو بالا نے ہاتھ جوڑ کر کہا، ککو رھنے دو، میں تیري منت کرتا ھوں، یہ پیٹ کا درد ٹھیک ھوجائےگا۔
اٹھ بے ، کیوں ہماري سنگت خراب کرتا ھے ۔
ککو نے ہاتھ بڑھا کر مدھو بالا کواٹھایا اور وھ دونوں یونیورسٹي کے گراؤنڈ میں چکر لگانے لگے، پہلے تو تھوڑي دیر تک ان دوڑتےھوئے لڑکوں کي طرف دیکھتا رہا، پھر جب میرے قریب بیٹھے ھوئے لڑکے نے سر کھجا کے کہا، سالي کیا مصیبت ھے ایراني پلاؤ، کھاؤ تو مصیبت اور نہ کھاؤ تو مصیبت ۔ میں نے کہا بھائي پلاؤ تو بڑے مزے کي چیز ھے، اسے کھانے سے پیٹ درد کیسے ھوسکتا ھے؟ میري بات سن کر وہ ھنسے، ایک لڑکے ني جس کا نام بعد میں مجھے کلدیب کور معلوم ھوا اور جو اس وقت ایک پٹھي ھوئي پنڈي اور ایک پھٹي نیکر پہنے ھوئے ھے، مجھ سے ھنس کر کہا، معلوم ھوتا ھے تم نے ایراني پلاؤ کبھي نہیں کھایا۔
کلدیب کور نے اپني بنڈي کے بٹن کھولتے ھوئے مجھے بتایاکہ ایراني پلاؤ ان لوگوں کي خاص اصطلاح ھے، اسے ایسے لوگ روز روز نہیں کھاسکتے لیکن جس دن لڑکے نے جوتے بہت کم پالش کئے ھوتے ھیں یا جس دن اس کے پاس بہت کم پیسے ھوتے ھیں اس دن اسے ایراني پلاؤ ھي کھانا پڑتا ھے اور یہ پلاؤ سامنے کے ایراني ریستوران سے رات کے بارھ بجے کے بعد ملتا ھے ، جس سب گاھک کھانا کھا کر چلے جاتے ھیں، دن بھر میں لوگ ڈبل روٹي کے ٹکڑے اپني پلیٹیوں میں چھوڑ جاتے ھیں، ڈبل روٹي کے ٹکڑے گوشت اور ھڈیاں چچوڑي ھوئي، چاول کے دانے ،آملیٹ کے ریزے، آلوؤں کے قتلے، یہ سارا جھوٹا کھانا ایک جگہ جمع کرکے ایک ملغوبہ تیار کرلیا جاتا ھے اور ملغوبہ دو آنے پلیٹ کے حساب سے بکتا ھے، پیچھے کچن کي دروازے پر

اسے ايراني پلاؤ کہا جاتا ھے ، اسے عام طور پراس علاقے کے غريب لوگ بھي نہيں کھاتے پھر بھي ھر روز دو تين سو پليٹيں‌بک جاتي ھيں، خريداروں ميں زيادہ تر جوتے پالش کرنے والے ، فرنيچر ڈھونے والے، گاہکوں کيلئے ٹيکسي لانے والے ھوتے‌ھيں يا آس پاس کے بلڈنگوں ميں کام کرنے والے مزدور بھي ھوتے ھيں۔

ميں کلديب کور سے پوچھا تمہارا نام کلديب کور کيوں ھے؟ کلديب کور نے اپني بنڈي بالکل اتارديااور اب وہ بڑے مزے سے ليٹا ھوا ھے اپنا سياہ پيٹ سہلا رھا تھا، وہ ميرا سوال سن کر وھيں گھاس پر لوٹ پوٹ ھوگيا، پھر ھنس چکنے کےبعد اپنے ايک ساتھي سے کہنے لگا
ذرا ميرا بکسا لانا۔
ساتھي نے کلديب کور کو بکسا ديا، کلديب کور نے بکسا کھولا، اس ميں پالش کا سامان تھا، پالش کي ڈبيوں پر کلديب کور کي تصوير بني ھوئي تھي، پھر اس نے اپنے ايک ساتھي سے کہا، تو بھي اپنا بکسا کھول اس نے بھي اپنا بکسا کھولہ ، اس بکس ميں پالش کي جتني چھوٹي بڑي ڈبياں تھيں ان پر نرگس کي تصويريں تھيں، جو رسالوں اور اخباروں کے صفحوں سےکاٹ کر لگائي گئي تھيں۔
کلديب کور نے کہا يہ سالا نرگس پالش مارتا ھے ، وہ نمي کا وہ ثرياکا، ھم ميں جتنا پالش والا ھے، کسي نہ کسي فلم ايکٹريس کي تصويرں کاٹ کر اپنے ڈبوں پر لگاتا ھے اس کا پالش مارتا ھے۔
سالا گاھک انباتوں سے بہت خوش ھوتا ھے، ام اس سے بولتا ھے ، صاحب کون سا پالش لگاؤں ، نرگس کہ ثريا کہ مدھو بالا؟پھر جب گاھک جس فلم کي ايکٹريس کو پسند کرتاھے ، اس کا پالش مانگتا ھے، ھم اس کو اس لڑکے کے حوالے کرديتا ھے جو نرگس کا پالش يا نمي کا يا کسي دوسري فلم ايکڑس کا پالش مارتا ھے ، ھم آٹھ لڑکے ھيں، ادھر سامني چرچ گيٹ پر سے بس اسٹينڈ کے پيچھے بيٹھتے ھيں، جس کے پاس جس ايکڑس کا پالش ھے وہ ھي اس کا نام لے گا، اسي سے ھمارا دھندا بہت اچھا چلتا ھے اور کام ميں مجا آتا ھے۔
ميں نے کہا تم اور بس اسٹينڈ کے نيچے فٹ پاتھ پر ايراني ريستوران کے سامنے بيٹھے ھوں تو پوليس والا کچھ نہيں کہتا؟

کندليب کور اوندھے منہ ليٹا ھوا تھا، اب سيدھا ھوگيا، اس نے اپنے ہاتھ کے انگھوٹے کو ايک انگلي سے دبا کر اسے يکايک ايک جھٹکے سے يوں نچايا جيسے وہ فضا ميں اکني اچھال رھا ھوں، بولا وہ سالا کيا کہے گا؟۔
اسے پيسہ ديتا ھے اور يہاں اس ميدان ميں جو سوتا ھے اس کا بھي پيسہ ديتا ھے، پيسہ؟ اتنا کہہ کر کلديب کور نے پھر انگوٹھے سے ايک خيالي اکني ھوا ميں اچھالي اور فضا ميں ديکھنے لگا، اور پھر دونوں ہاتھ کھول کر ديکھا ، مگر دونوں خالي تھے کلديب کور بڑي مزے دار اور تلخي سے مسکرادیا، اس نے کچھ نہيں کيا چپ چاپ اوندھا ليٹ گيا۔
نرگس نے مجھ سے پوچھا تم ادھر داور ميں پالش مارتے ھوں ؟ ميں نے تم کو

ویزاں ہوٹل کے سامنے دیکھا ھے ۔
مین نے کہا، ہاں مجھ کو بھي ایک پالش والا ھي سمجھو۔
ایک طرح سے کیا؟ کلدیب کور اٹھ کر بیٹھ گیا، اس نے میري طرف گھور کر دیکھا، سالہ سیدہے بات کرونا، تم کیا کام کرتا ھے؟
اس نے کہا میں بہت خوش ھوا، کوئي اور کہتا تو میں اسے ایک جڑ دیتا، مگر جب اس لڑکے نے مجھے سالا کہا تو میں بہت خوش ھوا کیونکہ سالا گالي کا لفظ نہیں تھا ، برادري کالفظ تھا، ان لوگوں نے مجھے اپني برادري میں شامل کر لیا تھا، اس لئے میں نے کہا ، بھائي ایک طرح سے میں بھي پالش والا ھوں، مگر میں لفظ پالش کرتا ھوں اور کبھي کبھي پرانے میلے چمڑوں کو کھرچ کے دیکھتا ھوں کہ ان کي بوسیدہ تہوں میں کیا ھے ۔

نرگس اور نمي ایک دم بول اٹھے، تو سالہ پھر گڑ بڑ گھوٹا لاکرتا ھے، صاف صاف کیوں نہیں بولتا کیا کام کرتا ھے۔
میں نے کہامیرا نام بش ھے، میں کہانیاں لکھتا ھوں۔
اوہ تو بابو ھے نمي بولا، نمي ایک چھوٹا سا لڑکا تھا ، یہاں دائرے میں جتنے لڑکے تھے ان سب میں سب سے چھوٹا ، مگر اس کي آنکھوں میں ذہانت تیز چمک تھي اور چونکہ وہ اخبار بھي بیچتا تھا، اس لئیے اسے مجھ سے دلچسپي پیدا ھوگئي تھي، اس نے میرے قریب قریب آرک کیا ، کون سے اخباروں میں لکھتے ھو؟ پھري ریس ،سنٹل ٹایث، بمبئے کرانیکل، میں اب اخباروں کو جانتا ھوں۔
وہ بڑھ کر میرے قریب آگیا۔
میں نےکہا میں شاھراہ میں لکھتا ھوں۔
ساہرھ؟ کون نوز پیپر ھے؟
دہلي سے نلکتا ھے ۔
دلي کے چھاپے خانے سے وہ؟ نمي کي آنکھیں میرے چہرے پر پھیل گئیں۔
اور اب ادب لطیف میں لکھتا ھوں، میں نے رعب ڈالنے کیلئےکہا۔
کلدیب کور ھنسنے لگا۔ کیا کہا بدبے خلیف میں لکھتا ھے،سالے یہ تو کسي انگلش فلم ایکٹریس کا نام معلوم ھوتا ھے،بدبے خلطیف آہاآہا آہا، ابے نمي تو اپنا نام بدلکر خلطیف رکھ لے، بڑا اچھا نام مالوم ھوگا،ہاہاہاہا جب سب لڑکے ھنس چکے تو میں نے بڑي سنجیدگي سے کہا، بدبے خلطیف نہیں، ادب ، ادب، لطیف، لاھور سے نکلتا ھے، بہت اچھا پیپر ھے ۔
نرگس نے بے پرواہي سر ھلا کے کہا، ہاں سالے ھوگاادب لطیف ھي ھو گا ھم کو کیا، ھم اس کو بیچ کے ادھیر پیسہ تھوڑي کماتے ھیں۔
تقریبا اتنا ھي جتنا تمہیں ملتا ھے ، اکثر کچھ بھي نہیں ملتا جب میں لفظوں پر پالش کرچکتا ھوں تو اخبار والے شکریہ کہہ کر مفت لے جاتے ھین اور اپني رسالے یا اخبار کو چمکالیتے ھیں۔

تو خالي مغز ماري کیوں کرتا ھے۔ھماري طرح پالش کیوں نہیں کرتا، سچ کہتا

هوں تو بهي آجا ہماري برادري ميں ، بس تيري هي كسر تهي، اور تيرا نام هم بدبے خلطيف هي ركہ ديں گے، لاہاته ميں نے كلديب كور سے ہاته ملايا۔
كلديب كور كہنے لگا، مگر چار آنے روز پوليس والے كو دينے پڑيں گے۔
اور اگر كسي روز چار آنے نہ هوئے تو؟
تو هم كو مالوم نہيں، كسي سے مانگ ، چوري كر ڈاكہ ڈال، مگر سنتري كو چار آنے دينے پڑيں گے اور مہينے ميں دو دن حوالات ميں رہنا پڑے گا۔
ارے وه كيوں؟
يہ هم نہيں جانتے، سنتري كو هم هر روز چار آنے ديتے هيں هر ايک پالش والے ديتا هے، پهر بهي سنتري هر مهينے ميں دو دفعہ هم كو پكڑ كے لے جاتا هے، ايسا اس كا قاعده هے ، وه بولتا هے، ام كيا كريں۔
ميں نےكہا، اچها دو دن حوالات ميں بهي گزار ليں گے۔
اور كلديب كور نے كہا ، تم كو مہينے ميں ايک بار كورٹ بهي جانا پڑے گا، تمہارا چالان هوگا، كميٹي كے آدمي كي طرف سے ، تم كو كورٹ ميں بهي جانا پڑے گا دو روپے ي اتين روپے وه بهي تم كو دينا پڑے گا۔
وه كيوں ؟جب ميں چار آنے سنتري كو ديتا هوں، پهر ايسا كيوں هوگا؟
ارے يار سنتري كو بهي تو اپني كار گزاري دكهاني هے كہ نہيں، تو سمجهتا نہيں هے سالے بدبے خلطيف؟
ميں نے آنكه مار كر كلديب كور سے كہا، سالے سمجهتا هوں، هم دونوں هنسنے لگے، اتنے ميں مدهو بالا اور ككو دونوں ميدان كے چكر لگا كر پسينے ميں ڈوبے هوئے واپس آئے۔
مين نے مدهو بالا پوچها، تمہارا پيٹ كا درد غائب هوگيا۔

كچرا بابا

جب وه هسپتال سے باہر نكلا تو اس كي ٹانگيں كانپ رہي تهيں اور اس كا سارا جسم بهيگي هوئي روئي كا بنا معلوم هوتا تها اور اس كا جي چلنے كو نہيں چاهتا تها وہيں فٹ پاته پر بيٹه جانے كو چاہتا تها۔قاعدے سے اسے ابهي تک ايک ماه اور ہسپتال ميں رہنا چاہئيے تها مگر ہسپتال والوں نے اس كي چهٹي كر دي تهي، ساڑهے چار ماه تک وه ہسپتال كے پرائيوٹ وارڈ ميں رہا تها اور ڈيڑه ماه تک جنرل وارڈ ميں اس اثناء ميں اس كا گرده نكال ديا گيا تها اور اس كي آنتوں كا ايک حصہ كاٹ كے آنتوں كے فعل كو درست كياگيا تها، ابهي تک اس كے كليجے كا فعل راست نہيں هوا تها اسے ہسپتال سے نكل جانا پڑا، كيونكہ دوسرے لوگ انتظار كر رہے تهے، جن كي حالت اس بهي بتر تهي۔
ڈاكٹر نے اس سے كے ہاته ميں ايک لمبا سے نسخا دے ديا اور كہا يہ ٹانک پيو اور مقوي غذا كهاؤ، بالكل تندرست ہو جائوگے، اب هسپتال ميں رہنے كي كوئي

ضرورت نہیں ہے۔
مگر مجه سے چلا نہیں جاتا، ڈاکٹر صاحب؟ اس نے کمزور آواز میں احتجاج کیا، گھر جاؤ چند دن بیوي خدمت کرے گي بالکل ٹھیک هو جائو گے، بہت هي دھیرے دھیرے لڑکھڑاتے هوئے قدموں سے فٹ پاتھ پر چلتے اس نے سوچا گھر؟ میرا گھر کہاں ہے؟ چند ماہ پہلے ایک گھر ضرور تھا ، ایک بیوي بھي تھي،جس کے ایک بچہ هونے والا تھا، وہ دونوں اس آنے والے بچے کے تصور سے کس قدر خوش تھے، ہو گي دنیا میں زیادہ آبادي ، مگر وہ تو ان دونوں کا پہلا بچہ تھا۔
دلاري نے اپنے بچے کیلئے بڑے خوبصورت کپڑے سئیے تھے اور ہسپتال میں لاکر اسے دکھائے تھے اور ان کپڑوں کي نرم سطح پر ہاتھ پھیرتے هوئے اس ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنے بچے کو بانہوں میں لے کر اسے پیار کر رہا ہوں، مگر پھر اگلے چند مہینوں میں بہت کچھ لٹ گیا، جب اس کے گرد کا پہلا اپریشن ہوا تو دلاري نے اپنے زیور بیچ دئیے کہ ایسے هي موقعوں کے لئے هوتے ہیں، لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زیور عورت کے حسن کي افزائش کے لئے ہوتے ہیں، وہ تو کسي دوسرے درد کا مدادا هوتے ہیں، شوہر کا آپریشن، بچے کي تعلیم، لڑکي کي شادي، یہ بینک ایسے هي موقعوں کے لئے کھلتا ہے اور خالي کردیا جاتا ہے، عورت تو اس زیور کي تحویل دار ہوتي ہے اور زندگي میں مشکل سے پانچ چه بار اسے اس زیور کو پہننے کي توفیق حاصل ہوتي ہے۔گردے کے دوسرے آپریشن سے پہلے دلاري کا بچہ ضائع ہوگیا، وہ تو ہوتو هي دلاري کو دن رات جو کڑي مشقت کرنا پڑ رہي تھي، اس میں یہ خطرہ سب سے پہلے موجود تھا، ایسے لگتا جیسے دلاري کا یہ چھریرا سنہرا بدن اس قدر کڑي مشقت کے لئے نہیں بنایا گیا، اس لئے وہ دانا فرزانہ بچہ هي میں سے کہیں لٹک گیا تھا، ناسازگار موحول دیکه کر اور ماں باپ کي پتلي حالت بھانپ کر اس نے خود هي پیدا هونے سے انکار کر دیا، بعض بچے ایسے هي عقلمند ہوتے ہیں، دلاري کئي دنوں تک ہسپتال نہیں آسکي، اور جب اس نے آکے خبر دي تو وہ کس قدر رویا تھا، اگر اسے معلوم ہوتا که آگے چل کر اسے اس سے کہیں زیادہ رونا پڑے گا، تو وہ اس حادثے پر رونے کے بجائے خوشي کا اظہار کرتا۔

گردے کے دوسرے آپریشن کے بعد اس کي نوکري جاتي رہي، طویل علالت میں ہي ہوتا ہے، کوئي کہاں تک انتظار کرسکتا ہے، بیماري انسان کا اپنا ذاتي معاملہ ہے،اس لئے اگر وہ چاہتا کہ اس کي نوکري قائم رہے تو اسے زیادہ دیر تک بیمار نہ پڑنا چاھئیے، انسان مشین کي طرح ہے، اگر ایک مشین طویل عرصے کے لئے بگڑي رہتي ہے تو اسے اٹھا کے ایک طرف رکه دیا جاتا ہے اور اس کي جگہ نئي مشین آجاتي ہے کیونکہ کام رک نہیں سکتا، بزنس بند نہیں ہوسکتا اور وقت تھم نہیں سکتا، اس لئے جس سےمعلوم ہو کہ اس کي نوکري بھي جاتي رہي ہے تو اسے شدید دھچکا سا لگا، جسیے اس کا دوسرا گردہ بھي نکال لیا گیا، اس دھچکے سے اس کے آنسو بھي خشک ہوگئے، اصلي اور بڑي

مصیبت میں آنسو نہیں آتے، اس نے محسوس کیا صرف دل کے اند ایک خلا محسوس ہوتا ہے، زمین قدموں کے نیچے سے کھسکتي معلوم ہوتي اور رگوں میں خون کے بجائے خوف دوڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
کئي دنوں تک وہ آنے والي زنگي کے خوف اور دہشت سے سو نہیں سکا تھا، طویل علالت کے خرچے بھي طویل ہوتے ھیں، اور زیر بار کرنے والے ہولے ہولے گھر کي سب قیمتي چیزیں چلي گئیں، مگر دلاري نے ہمت نہیں ہاري، اس نےساڑھے چار ماہ تک ایک ایک چیز بیچ دي اور آخر میں نوکري بھي کرلي، وہ ایک فرم میں ملازم ہوگئي تھي، اور روز اپني فرم کے مالک کو لے کر ہسپتال بھي آئي تھي، وہ ایک دبلا پتلا، کوتاہ قد، ادہیڑ عمر کا شرمیلا آدمي دکھائي دیتا تھا، کم گو اور میٹھي مسکڑاہٹ والا، صورت شکل سے وہ کسي بڑي فرم کا مالک ہونے کے بجائے کتابوں کي کسي دکان کا مالک معلوم ہوتا تھا،دلاري اس کي فرم میں سو روپے مہینے پر نوکر ہوگئي تھي، چونکہ وہ زیادہ پڑھي لکھي نہیں تھي، اس لئے اس کا کام لفافوں پر ٹیکٹس لگانا تھا۔
یہ تو بہت آسان کام ہے؟ دلاري کے شوہر نے کہا۔
فرم کا باس بولا کام تو آسان ہے، مگر جب دن میں پانچ چچ سو خطوں پر ٹیکٹس لگان پڑیں تو اسي طرح کا کام بہت آسان کام کے بجائے بہت مشکل کام ہوجات ہے۔

اور وہ اس منزل سے گز چکا تھا جس وہ کسي کو قصور وار نہیں ٹہراسکتا تھا، اتني چوٹیں پے در پے اس پڑي تھیں کہ وہ بالکل بولا گیا، بالکل سناٹے میں آگیا وہ باطل دم بخور تھا، اب اس کي مصیبت اور تکالیف میں کسي طرح کا کوئي جذبہ یا آنسو نہیں رہ گیا تھا، بار بار ھتہوڑے کي زربیں کھا کھا کراس کا دل دھات کے ایک پترے کي طرح بے حس ہوگیا، اس لئے آج جب اسے ہسپتال سے نکال گیا تو اس نے ڈاکڑ سے کسي ذہني تکلیف کي دور کرنے کي شکایات نہیں کي تھي، اس نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب وہ اس ہسپتال سے نکل کر کہاں جائے گا؟اب اس کا کوئي گھر نہیں تھا،کوئي بیوي نہیں تھي،کوئي بچہ نہیں،کوئي نوکري نہیں، اس کا دل خالي تھا، اس کي جیب خالي تھي، اور اس کے سامنے ایک خالي اور سپاٹ مستقبل تھا۔
مگر اس نے یہ سب کچھ نہیں کہا تھا،اس نے صرف یہ کہا تھا؟ ڈاکڑ صاحب مجھ سے چلا نہیں جارہا ہے، بس یہي ایک حقیقت تھي جو اسے اس وقت یاد تھي، باقي ہر بات اس کے دل سے محو ہوسکتي ہے، اس وقت چلتے چلتے وہ صرف یہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کا جسم گیلي روئي کا بنا ہوا ہے ،اس کي ریڑھ کي ھڈي کسي پراني شکستہ چارپائي کي طرح چٹخ رہي ہے، دھوپ بہت تیز ہے، روشني نشتر کي طرح چبھتي ہے، آسمان پر ایک میلے اور پیلے رنگ کا وارنش پھرا ہوا اور فضا میں تاریک تر کرتے اور چستیاں سي غلیظ مکھیوں کي طرح بھنبھار رہي ہیں اور لوگوں کي نگاھیں بھي گندے لہو اور پیپ کي طرح اس کے جسم سے چسپا کر رہ جاتیں، اسے بھاگ جانا چاھئیے، کہیں ان

لمبے الجھے بجلي کے تاروں والے کھمبوں اور ان کے درمیان گڈ مڈ ہونے والے راستوں سے کہیں دور تھا، اپنا بھائي بھي یاد آیا جو افریقہ میں تھا، سن سن سن ایک ٹرام اس کے قریب سے اندر گھستي چلي جار رہي تھي اور پوري ٹرام کو اپنے جسم کے اندر چلتا ہوا محسوس کرسکتا تھا، اسے ایسا محسوس ہوا جسیے وہ کوئي انسان نہیں ہے ایک گھسا پٹہ راستہ ہے۔
دیر تک وہ چلتا رہا، ہانپتا رہا اور چلتا رہا، اندازے سے ایک موہوم سمت کي طرف چلتا رہا، جدھر کبھي اس کا گھر تھا، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اب اسکا کوئي گھر نہیں ہے، مگر وہ جانتے ہوئے بھي ادھر ہي چلتا رہا، گھر جانے کي عادت سے مجبور ہو کر مگر دھوپ بہت تیز تھي، اس کے سارے جسم میں جیونٹیاں سي رینگ رہي تھیں، اور وہ کسي مسافر سے راستہ ہي پوچھ کے،معلوم کر لے یہ شہر کا کونسا حصہ ہے، ہولے ہولے اس کے کانوں میں ٹراموں اور بسوں کا شور بڑھنے لگا، نگاہوں میں دیواریں ٹیڑھي ہونے لگیں، عمارتیں گرنے لگیں، بجلي کے کھمبے گڈ مڈ کرنے لگے، پھر اس کي آنکھوں تلے اندھیرا اور قدموں تلے بھونچال سا آیااور وہ یکا یک زمین پر گر پڑا۔
جب ہوش میں آیا تو رات ہو چکي تھي، ایک نیم خنک سا اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا تھا، اس نے آنکھیں کھول کردیکھا کہ جس جگہ پر گرا تھا اب تک وہیں پڑا ہے، یہ فٹ پاتہ ایک ایسا تھا جس کے عقب میں دو طرفہ دو دیواریں تھي دوسري شمال سے مغرب کو، اور وہ دونوں دیوروں کے اتصال پر لیٹاہوا تھا، یہ دونوں دیورایں کوئي چار فٹ کے قریب بلند تھیں، یہاں پر امرود اور جامن کے کے پیڑ تھے اور ان پیڑوں کے پیچھے کیا تھا وہ اسے اس وقت تک نہیں نظر نہیں آیا تھا،دوسري طرف مغربي دیوار کے سامنے پچیس تیس فٹ کا فاصلہ چھوڑ کر ایک پراني عمارت کا عقب تھا، سہ منزلہ عمارت تھي اور منزل میں پیچھے کي طرف صرف ایک کھڑکي تھي جو چھ بڑے عقبي پائپ تھے، عقبئي پائپ اور مغربي دیوار کے بیچ میں پچیس تیس فٹ چوڑي ایک اندھي گلي بن گئي تھي، جس کے تین طرف دیوار تھي اور چوتھي طرف سڑک تھي، کہنیوں پر زور دے کر ذرا سا اوپر اٹھا کر اور ادھر ادھر دیکھنے لگا، سڑک بالکل خالي تھي، سامنے کي دکانیں بند تھیں اور فٹ پاتہ کے اندھے سالوں میں کہیں کہیں بجلي کے کمزور بلب جلھملا رہے تھي، چند لمحوں کے لئے اسے یہ ٹھنڈي تاریکي بہت بھلي معلوم ہوئي

چند لمحوں کے لئے اس نے اپني آنکھیں بند کرکے سوچا شاید وہ کسي مہربان سمندر کے پانیوں میں ڈوب رہا ہے۔
مگر اس احساس سے وہ اپنے آپ کو صرف چند لمحوں تک دھو دے کیونکہ اب اس نے محسوس کرلیا کہ اس پر شدید بھوک طاري ہوچکي ہے، چند لمحوں کي خوشگوار خنکي کے بعد اس نے محسوس کرلیا کہ وہ شدید طور پر بھوکا ہے، جس سے کي آنتوں کے فعل کو بیدار کرکے اس کے ساتھ کسي طرح کي بھلائي نہیں کي، اس کے معدے کے اندر عجیب اینٹھن سي ہو رہي تھي اور آنتیں اندر

ہي اندر تڑپ تڑپ کر روٹي کا سوال کر رہي تھيں اور اس وقت اس کے نتھنے کسي شہري انسان کے نتھنوں کي طرح نہيں کسي جنگلي جانور کے نتھنوں کي طرح کام کر رہے تھے، عجيب عجيب سي بوئيں اس کي ناک ميں آرہي تھيں، بوئوں کي ايک سمفني تھي جو اس کے احساس پر پھيلي ہوئي تھي اور حيرت کي بات يہ تھي کہ وہ اس سمفني کے ايک ايک دسر کا الگ الگ وجود پہچان سکتا تھا، يہ جامن کي خوشبو ہے، يہ امرود کي ، يہ رات کي راني کے پھولوں کي، يہ تيل ميں تلي ہوئي پوريوں کي، يہ پياز اور لہسن ميں بگھارے ہوئے آلوؤں کي، يہ مولي کي ، يہ ٹماٹر کي، يہ کسي سڑے گلے پھل کي، يہ پيشاب کي، يہ پاني ميں بھيگي ہوئي مٹي کي جو غالبا بانسوں ميں کے جھنڈ سے آرہي ہے۔

وہ ہر بو کي نوعيت، شدت، سمت اور فاصلے تک کا اندازہ کرسکتا ہے، يکايک اسے يہ احساس بھي ہوا اور وہ اس بات پر چونکا بھي کہ کس طرح سے بھوک نے اس منحفي قوتوں کو بيدار کرديا۔ مگر اس امر پر زيادہ غور کئے بغير اس نے اس طرف گھسٹنا شروع کر ديا، جدھر سے اسے تيل ميں تلي ہوئي پوريوں اور لہسن سے بگھارے ہوئے آلوؤں کي بو آئي تھي، وہ دھيرے دھيرے اندھي گلي کے اندر گھسٹنے لگا، کيونکہ وہ اپنے جسم ميں چلنے کي سکت بالکل نہيں پاتا تھا، پھر اسے ايسا محسوس ہوتا جيسے کوئي دھوبي اس کي آنتوں کو پکڑ کر مروڑ رہا ہے، پھر اس کے نتھنے ميں پوريون اور آلو کي آشتہا بو آئي اور وہ بے قرار ہو کر ادھ مندھي آنکھوں سے اپنے تقريبابے جان سے جسم کو ادھر گھسيٹنے کي کوشش کرتا،جدھر سے آلو ، پوري کي بو آرہي تھي، کچھ عرصے کے بعدجب وہ اس جگہ پر پہنچا تو اس نے ديکھا کہ مغربي ديوار اور اس کے سامنے کي پچھواڑے کے پائيوں کے درميان پچيس تيس فٹ کے فاصلے ميں مستطيل نما کچرے کا ايک بہت بڑا کھلا آہني ٹب رکھا ہے۔

يہ ٹب کوئي پندرہ فٹ چوڑا ہوگا اور تيس فٹ لمبا اور اس ميں طرح طرح کا کوڑا کرکٹ بھرا ہے گلے سڑے پھلوں کے چھلکوں اور ڈبل روٹيوں کے غليظ ٹکڑے اور چائے کي پتياں اور ايک پراني جيکٹ اور بچوں کے گندے پوتڑے اور انڈے کے چھلکے اور اخبار کے ٹکڑ اور رسالوں کے پھٹے اوراق اور روٹي کے ٹکڑے اور لوہے کي لونياں اور پلاسٹ کے ٹوٹے ہوئے کھلونے اور مٹر کے چھلکے اور پودينے کے پتے اور کيلے کي تپل پر چند ادھ کھائي پوريان------اور الو کي بھاجي، پوريوں اور آلو کي بھاجي کو ديکہ کرگويا اس کي آنتيں ابل پڑيں، اس نےچند لمحوں کے لئے اپنے بے قرار ہاتہ روک لئے، مگر دوسري بدبوؤں کے مقابلے ميں اس کے نتھنوں ميں اگلے چند ثانيوں تک پوري اور بھاجي کو ديکہ کي اشتہار آميز خوشبو اسي طرح تيز تر ہوگئي جيسے کسي سمفني ميں يکايک کوئي خاص سر ايک دم اونچے ہوجاتے ھيں اور يکا يک تہذيب کي آخري ديواريں ڈھے گئيں اور اس کے کانپتے ہوئے بے قرار ہاتھوں نے کيلے کے اس پتل کو دبوچ ليا اور وہ اک وحشيانہ گرسنگي سے متاثر ہو کر ان پوريان پر ٹوٹ پڑا۔

پوري بھاجي کھاکے اس نے کيلے کے پتے کو بار بار چاٹا اور اسے شفاف کر کے چھوڑ ديا، جيسے قدرت نے اسے بنايا تھا، پتل چاٹنے کے بعد اس نے اپني انگلياں چاٹيں اور لمبے لمبے ناخنوں ميں بھري ہوئي آلو کي بھاجي زبان کي نوک سے نکال کے دکھائي اور جب اس سے بھي اس کي تسلي نہ ہوئي تو اس نے ہاتھ بڑھا کر کوڑے کے ڈھير کو گھنگھولتے ہوئے اس ميں سے پودينے کے پتے نکال کر کھائے اور مولي کے دو ٹکڑے اور ايک آدھا ٹماٹر اپنے منہ ميں ڈال کر مزے سے اس کا رس پيا اور وہ سب کچھ کھا چکا تو اس تو اس کے سارے جسم ميں نيم گرم غنودگي کي اک لہر اٹھي اور وہ ہيں ٹب کے کنارے گر کر سوگيا۔

آٹھ دس روز اسي نيم غنودگي اور نيم بے ہوہوشي کے عالم ميں گزرے، وہ گھسٹ گھسٹ کر ٹب کے قريب جاتا اور جو کھانے کو ملتا کھاليتا اور جب اشتہا آميز بوؤں کي تسکين ہوجاتي اور وہ دوسري گندي بوئيں ابھرنے لگتيں تو وہ گھسٹ گھسٹ کر ٹب سے فٹ پاتھ کے ٹکڑ پر چلا جاتا، اور عقبي ديوار سے ٹيک لگا کر بيٹھ جاتا يا سو جاتا۔
پندرہ بيس روز کے بعد ہولے ہولے اس کے جسم ميں طاقت ابھرنے لگي، ہولے ہولے وہ اپنے ماحول سے مانوس ہونے لگا، يہ جگہ کتني اچھي ہے، يہاں دھوپ نہيں تھي، يہاں درختوں کا سايہ تھا ، اندھي گلي سنان اور ويران تھي يہاں کوئي نہيں آتا تھا، کبھي کبھي عقبي عمارت سے کوئي کھڑکي کھلتي تھي اور کوئي ہاتھ پھيلا کر نيچے کے ٹب ميں روز مرہ کا کوڑا پھينک ديتا تھا، يہ کوڑا جو اس کا روزي رساں تھا، اس کے شب و روز کا رازق تھا، اس کي زندگي کا محافظ تھا، دن مين سڑک چلتي تھي، دکانيں کھلتي تھيں، لوگ باگ گھومتے تھے، بچے ابابيلوں کيئ طرح چہکتے ہوئے سڑک سے گزر جاتے تھيں، عورتيں رنگين پتنگوں کي طرح ڈولتي ہوئي گزر جاتي تھيں، ليکن يہ ايک دوسري دنيا تھي، اس دنيا ميں اس کو کوئي علاقہ نہ تھا، اس دنيا ميں اب اس کا کوئي نہ تھا، اور وہ اس کے لئے موہوم سائے بن گئے اور اس سے باہر ميدان اور کھيت اور کھلا آسمان ايک بے معني تصور، گھر، کام کاج،زندگي سماج،جدوجہد بے معني الفاظ جو گل سٹ کر اس کوڑے کچرے کے ڈھير ميں مل کر غتر بود ہوگئے، اس دنيا سے اس نے منہ موڑ ليا تھا اور اب يہي اس کي دنيا تھي،پندرہ فٹ لمبي اور تيس فت چوڑي۔
ماہ و سال گزرتے گئے اور اس نکڑ پر بيٹھا بيٹھا ايک پرانے ٹھنٹھہ کي طرح اور کسي پراني ياد گار کي طرح سب کي نظروں ميں مانوس ہوتا چلاگيا وہ کسي سے بات نہيں کرتا تھا کسي کو فيض نہيں پہنچاتا تھا، کسي سے بھيک نہيں مانگتا تھا، ليکن اگر وہ کسي دن وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا تو اس علاقے کے ہر فرد کو اس مر پر حيرت ہوتي اور شايد کسي قدر تکليف بھي ہوتي۔
سب لوگ اسے کچرا بابا کہتے تھے، کيونکہ يہ سب کو معلوم تھا کہ وہ صرف کچرے کے ٹب ميں سے اپني خوراک نکال کر کھاتا ہے اور جس دن اسے وہاں

سے کچھ نہ ملتا وہ بھوکا ہي سو جاتا، برسوں سے راہ گیر اور ایراني رسٹوران والے اس کي عادت کو پہچان گئے تھے، اور اکثر عمارت کي عقبي کھڑکیون سے اب کوڑے کے علاوہ خوردہ نوش کي دوسري چیزیں بھي پھینکي جاتیں، صیح و سالم پوریان اور بہت سي بھاجي اور گوشت کے ٹکڑے اور ادھ چوسے آم اور چٹني اور کباب کے ٹکڑے اور کھیر میں لتھڑے ہوئے پتل، ناؤنوش کي ہر نعمت کچرا بابا کو اس ٹب میں سے مل جاتي ھیں، کبھي کبھي کوئي پھٹا ھوا پاجامہ، کوئي ادھڑي ھوئي نیکر، کوئي تار تار شکتہ قیمض پلاسٹک کا گلاس، یہ کچرے کا ٹب کیا تھا، اس کے لئے ایک کھلا بازار تھا، جہاں وہ دن دہاڑے سب کي آنکھوں کے سامنے مڑ گشت کیا کرتا تھا، جس دکان سے جو سودا چاھتا مفت لیتا تھا، وہ اس بازار کا اس نعمت غیر مترقبہ کا واحد مالک تھا، شروع شروع میں چند گرسنہ بلیوں اور خارش زدہ کتوں نے شدید مزاحمت کي تھي، مگر اس نے مار مار کر سب کو باہر نکال دیا، اور اب اس کچرے کے ٹب کا واحد مالک تھا اور اور اس کے حق کو سب نے تسلیم کرلیا تھا، مہینے میں ایک بار میونسپلٹي والے آتے ہیں، اور اس ٹب کو خالي کرکے چلے جاتے تھے اور کچرا بابا ان سے کسي طرح کي مزاحمر نہیں کرتا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ دوسرے دن ٹب پھر اسي طرح بھرنا شروع ہوجائے گا اور اس کو اعتقاد تھا کہ اس دنیا سے نیکي ختم ہوسکتي ہے لیکن غلاظت ختم نہیں ہوسکتي رفاقت ختم ھوسکتي ہے، لیکن غلاظت اور گندگي کبھي ختم نہیں ہوسکتي، ساري دنیا سے منہ توڑ کر اس نے جینے کا آخري طریقہ سیکھ لیا تھا۔
مگر یہ بات نہیں ہے کہ اسے باہر کي دنیا کي خبر نہ تھي، جب شہر میں چیني مہنگي ہوجاتي تو مہینوں کچرے کے ٹب میں مٹھائي کے ٹکڑے کي صورت نظر نہیں آتي، جب گندم مہنگي ھو جاتي تو ڈبل روٹي کا ایک ٹکڑا تک نہ ملتا، جب سگریٹ مہنگے ہو تو تو سگریٹ کے جلے ھوئے ٹکڑے اتنے چھوٹے ملتے کہ انہیں سلگا کر پیا بھي نہیں جاسکتا۔
جب بھینگوں نے ھڑتال کي تھي تو مہینے تک اس کے ٹب کي کسي نے صفائي نہیں کي تھي،اور کسي روز اس کو ٹب میں اتنا گوشت نہیں ملتا تھا، جتنا بقر عید کے روز اور دیوالي کے دن توٹب کے مختلف کونوں سے مٹھائي کے بہت سے ٹکڑے مل جاتے تھے۔باہر کي دنیا کا کوئي حادثہ یا واقعہ ایسا نہ تھا۔

جس کا سراغ وہ کچرے کے ٹب سے دریافت نہ کرسکتا تھا، دوسري جنگ عظیم سے لے کر عورتوں کے خفیہ امراض تک، مگر باہر کي دنیا سے اب اسے کسي طرح کي کوئي دلچسپي نہ رہي تھي، پچیس سال تک وہ اس کچرے کے ٹب کے کنارے بیٹھا بیٹھا اپني عمر گزار رہا تھا، شب و روز، ماہ و سال، اس کے سر سے ہوا کي لہروں کي طرح گزرتے گئے، اور اس کے سر کے بال سوکھ سوکھ کر ربڑ کي شاخوں کي طرح لٹکنے لگے، اس کي کالي داڑھي کھچڑي ہوگئي، اس کے جسم کا رنگ ملگجامٹ میلاد اور سبزي مائل ہوتا گیا، وہ اپنے مضبوط بالوں، پھٹے چیتھڑوں اور بدبو دار جسم سے راہ چلتے لوگوں

کو خود بھي کچرے کا ایک ڈھیر دکھائي دیتا تھا جو کبھي کبھي حرکت کرتا تھا اور بولتا تھا، کسي دوسرے سے نہیں صرف اپنے آپ سے زیادہ سے زیادہ کچرے کے ٹب سے۔
کچرا بابا ان لوگوں سے کچھ کہتا نہیں تھا، مگر انکي حیرت کو دیکھ کر دل میں ضرور سوچتا ہوگا کہ اس دنیا میں کون ہے جو کسي دوسرے سے گفتگو کرتا ہے اس دنیا میں جتني گفتگو ہوتي ہے انسانوں کے درمیان نہیں ہوتي بلکہ صرف اپني ذاتي اور اس کي کسي غرض کے درمیان ہوتي ہے، دوسروں کے درمیان جو بھي گفتگو ہوتي ہے وہ دراصل ایک طرح کي خود کلامي ہوتي ہے، یہ دنیا ایک بہت بڑا کچرے کا ڈھیر ہے جس میں سے ہر شخص اپني غرض کا کوئي ٹکڑا، فائدے کا کوئي ٹکڑا، فائدے کا کوئي چھلکا یا منافع کا کوئي چیتھرا دبوچنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے اورکہتا ہوگا یہ لوگ جو مجھے حقیر، فقیر یا ذلیل سمجھتے ہیں، ذرا اپني روہ کے پچھواڑے میں تو جھانک کر دیکھیں، وہاں اتني غلاظت بھري ہے کہ جسے چرف موت کا فرشتہ ہي اٹھا کر لے جائے گا۔
اسي طرح دن پر دن گزرتے گئے ملک آزاد ہوئے، ملک غلام ہوئے حکومتیں آئیں، حکومتیں چلي گئیں، مگر یہ کچرے کا ڈب وہیں رہا اور اس کے کنارے بیٹھنے والا کچرا بابا اسي طرح نیم غنودگي میں بے ہوشي کے عالم میں دنیا سے منہ موڑے ہوئے زیر لب کچھ بد بداتا رہا کچرے کے ٹب کو گھنگھولتا رہا۔
تب ایک رات اندھي گلي میں جب وہ ٹب سے چند فت کے فاصلے پر دیوار سے پیٹھ لگائے اپنے پھٹے چیتھڑوں میں دبکا سورہاتھا، اس نے رات کے سناٹے میں ایک خوف ناک چیخ سني اور وہ ہڑبڑا کر نید سے جاگا، پھر اس نے ایک زور کي تیز چیخ سني اور گھبراکر کچرے کے ٹب کي طرف بھاگا، جدھر سے یہ چیخیں سنائي دے رہي تھیں۔
کچرے کے ٹب کے پاس جاکر اس نے ٹٹولا ، تو اس کا ہاتھ کسي نرم نرم لوتھڑے سے جا ٹکرایا اور پھر ایک زور کي چیخ بلند ہوئي، کچرا بابا نے دیکھا کہ ٹب کے اندر ڈبل روٹی کے ٹکڑوں، چچوڑي ہوئي ھڈیوں، پرانے جوتوں، کانچ کے ٹکڑوں، آم کے چھلکوں، باسي دینیوں اور ٹھرے کي ٹوٹي ہوئي بوتلوں کے درمیان ایک نوزائیدہ بچہ ننگا پڑا ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں ہلاہلا کر زور زور سے چیخ رہا ہے۔
چند لمحوں تک کچرا بابا حیرت میں ڈوبا ہوا جامد و ساکت اس ننھے انسان کو دیکھتا رہا جو اپنے چھوٹے سے سینے کي پوري قوت سے اپني آمد کا اعلان کر رہاتھا، چند لمحوں تک وہ چپ چاپ ، پریشان، پھٹي پھٹی آنکھوں سےاس منظر کو دیکھتا رہا پھر اس نے تیزي سے آگے جھک کر کچرے کے ٹب سے اس بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔
مگر بچہ اس کي گود میں جاکر بھي کسي طرح چپ نہ رہا، وہ اس زندگي میں نیا نیا آیا تھا اور بلک بلک کر اپني بھوک کا اعلان کر رہا تھا، ابھي اسے معلوم نہ تھا کہ غریبي کیا ہوتي ہے، مامتا کس طرح بزدل ہوجاتي ہے، زندگي کسیے

حرام بن جاتي ہے، وہ کس طرح ملیے پیکٹ اور غلیظ بنا کچرے کے ٹب میں ڈال دي جاتي ہے، ابھي اسے یہ سب کچھ معلوم نہ تھا ابھي وہ صرف بھوکا تھا اور رو رو کر اپنے پیٹ پر ہاتھ مار رہا تھا۔
کچرا باب کي سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیسے اس بچے کو چپ کرائے اس کے پاس کچھ نہ تھا، نہ دودھ نہ چسني، اسے تو کوئي لوري بھي یاد نہیں تھي، وہ بے قرار ہو کر بچے کو گود میں لے کر دیکھنے لگا اور تھپتھپانے لگا اور گہري نیند سے رات کے اندھیرے میں چارون طرف دیکھنے لگا ، کہ اس وقت بچے کے لئے دودھ کہاں سے مل سکتا ہے، لیکن جب اسکي سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے جلدي سے کچرے کے ٹب سے آم کي ایک گھٹلي نکالي اور اس کا دوسرا سرا بطے کے منہ میں دے دیا۔
ادھ کھائے ہوئے آم کا میٹھا میٹھا رس جب بچے کے منہ میں جانے لگا تو وہ روتا روتا چپ ہوگیا اور چپ ہوتے ہوتے کچرا بابا کي بانہوں میں سو گیا، آم کي گھٹلي کھسک کر زمین پر جا گري اور اب بچہ اس کي بانہوں میں بے خبر سو رھا تھا، آم کا پیلا پیلا رس ابھي تک اس کے نازک لبون پر تھا اور اس کے ننھے سے ہاتھ نے کچرا بابا کا انگوٹھا بڑے زور سے پکڑ رکھا تھا۔
ایک لمحے کیلئے کچرا بابا کے دل میں خیال آیا کہ وہ بچے کو یہیں پھینک کر کہیں بھاگ جائے، دھیرے سے کچرا باب نے اس بچے کے ہاتھ سے اپنے انگھوٹے کو چھڑانے کي کوشش کي،مگر بچے کي گرفت بڑي مضبوط تھي اور کچرا بابا کا ایسے محسوس ہوا جسیے زندگي نے اسے پھر سے پکڑ لیا ہے، اور دھیرے دھیرے جھٹکوں سے اسے اپنے پاس بلارھي ہے، یکایک اسے دلاري کي یاد آجاتي ہے، اور وہ بچہ جو اس کي کوکھ میں کہیں ضائع ہو گیا تھا اور یکا یک کچرا بابا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، آج سمندر کے پانیوں میں اتنے قطرے نہ تھے جتنے آنسو اس کي آنکھوں میں تھے، گزشتہ پچیس برسوں میں جتني میل اور غلاظت اس کي روح پر جم چکي ہے وہ اس طوفان کے ایک ہي ریلے میں صاف ہوگئي۔
رات بھر کچرا بابا اس نوزائیدہ بچے کو اپني گود میں لئے بے چین اور بے قرار ہو کرفت پاتھ پر ٹہلتا رہا اور جب صبح ھوئي اور سورج نکلا تو لوگوں نے دیکھا کہ کچرا بابا آج کچے کے ٹب کے پاس نہیں ہے، بلکہ سڑک پار نئي تعمیر ہونے والي عمات کے نیچے کھڑا ہو کر اینٹیں ڈھو رہا ہے اور اس عمارت کے قریب گل مہر کے ایک پیٹ کي چھاؤں میں ایک پھولدارکپڑے میں لپتا اک ننھا بچہ منہ میں دودھ کي چسني لئے مسکرا رہا ہے۔

خمیازہ

آپ مجھے پہچان گئے جي ہاں میں ہي اکرام علي شاہ بین الاقوامي شہرت یافتہ فوٹو گرافر ہوں، کلب کے باہر شربتي رنگ کي جو ٹویوٹا گاڑي کھڑي ہے، وہ مجھے پچھلے سال جاپان کي ایک فوٹو گرافک نمائش میں اول آنے پر انعام میں ملي تھي اور یہ پولو رائیڈ کمیرہ اور آئي کن زیوس کمیرہ دونوں مجھے
نیویارک میں نمائش میں دوسرے نمبر پر آنے پر ملے تھے، جي ہاں، آپ نے مجھے جس فاران لڑکي کے ساتھ میرین ڈرائیور پر اکثر گھومتے دیکھا ہے، بمبیي میں وہ ماریسا تھي، میري ماڈل، میں نے سمندر کي کنارے اس کي بہت سے تصویریں لي ہیں، مجھے عورت اور سمندر میں زیادہ فرق نظر نہیں آتا ہے، دونوں کي شخصیت پر اسرار ہے، دونوں بلاوطہ طوفاني ہوجاتے ہیں، کبھي بلاوجہ شانت، ابھي سمندر کي لہریں پیار کرنے والي عورت کي طرح ساحل کو اپني انگلیوں سے گد گداتي ھیں، چند لمحوں بعد یہي کمزور لہر مہیب اچھال بن کر ساحل کو کاٹنے لگتي ہے، نہ سمندر سمجھ میں آتا ہے نہ عورت، شاید اسي لئے ان دونوں میں بے حد کشش محسوس کرتا ہوں۔
آپ نے ابھي عورت کے مجہول اور بے وقوف ہونے کي وجوہات کہي تو اس سلسلے میں ایک قصہ سناتا ہوں، قصہ کیا ہے، واقعہ ہے، ذرا وہسکي اور لے لوں، جام خالي ہے، بیرہ، ادھر گلاس میں ایک ڈبل ڈمپل مارو۔

ہم سب پہلگام کلب کي بار کے اونچے اونچے اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے عورتوں کي معصومیت ، انجان پن اورحماقتوں کے قصے بیان کر رہے تھے، کیونکہ ہم میں کوئي عورت نہیں تھي اور تین تین پیگ اندر جاچکے تھے، اکرام علي کا البتہ یہ پانچواں ہو گا، اس کا چہرہ انار کي طرح سرخ تھا، اس نے پولو نیک کا گلابي رنگ کا موٹا سوئیٹر پہن رکھا تھا اور گہري بزکارڈ مخمل کي بیل باٹ، دونوں گھني بھویں ماتھے کے بیچ آکر مل گئي تھیں، اس کي آنکھوں میں ایک تیز عیار چمک تھي، جب ہنستا تھا تو اس کے چہرے پر ایک کامیاب اور کھڑے ہوئے لفنگے کي مطمئن بے فکري چھاجاتي، مگر ایسي بے فکري جس میں ایک رنگ ذہانت کا بھي تھا اور وہ ذہانت اس کي آنکھوں میں تھي۔
اکرام علي وہسکي کے دو گھونٹ لئے، گلاس اٹھا کر اسے دو تین بار مختلف زاویو سے ابر کي سنگ مر مر سطح پر دائرے بنائے، غالبا وہ سوچ رہا تھا، کہاں سے شروع کرے، پھر جیسے اس کي سمجھ میں پورا واقعہ آگیا۔
یہ چار دن پہلے کا واقعہ ہے اور اب اسے سنانے میں کوئي اندیشہ بھي نہیں ہے کیونکہ وہ لڑکي یہاں سے جاچکي ہے، آج سے چار دن پہلے میں نے اس لڑکي کو غلام بٹ کے جنرل اسٹور میں خریداري کرتے ہوئے دیکھا تھا، کندھے سے لٹکے ہوئے جھولے میں لنچ باکس تھي اور وہ غلام بٹ کے پھلوں کے ڈبے ، خرید Tinned Foods مکھن کا ڈبہ، سامن مچھلي کا ڈبہ اور دوسري بہت سي رہي تھي، میں اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا، کیونکہ میں نے پہلي نظر میں اسے

پہچان لیا تھا، جیسےآپ نے پہلي نگاہ میں مجھے پہچان لیا، یہ سجاتا تھي۔

سجاتا کو آپ نہیں جاتے ؟ حیرت ہے، سجاتا کا شمار بمبئي کي حیسن ترین لڑکیوں میں ہوتا تھا، ایک زمانے میں اس کا بڑا غلبہ تھا کچھ عرصے تک اس نے فلموں میں بھي کام کیا، مگر چلي نہیں، فلم میں چلنے کیلئے مشکل کے علاوہ تھوڑي سي عقل بھي چاہئیے، خوب صورت عورت کو زیادہ عقل کي ضرورت نہیں، لیکن پھر بھي تھوڑي سي تو چاہئیے، یعني آٹے میں نمک کے برابر، میں نہیں کہہ سکتا ہوں فلموں میں کیوں نہیں چلي کیونکہ میرا تعلق کسي فلم نہیں ہے، اس کے بعد سنا ہے، وہ لندن جاکر ماڈلنگ کرنے لگي، مگر وہاں بھي زیادہ نہیں چلي ، کیونکہ ہندوستاني لڑکي تھي اور یورپین لوگ زیادہ تر یورپین لڑکیوں کے خدوخلا ہي پسند کرتے ہیں، پھر وہ واپس ہندوستان آگئ اور کرمان اینڈ سنن بک سیلز اینڈ پبلشز کے ہاں کتابیں بیچنے لگے، مگر وہاں بھي اس کا دل نہیں لگا، کیونکہ خوب صورت عورت خود ایک کتاب ہوتي ہے، کئي باب میں تقسیم کے بعد اس نے توبہ کرلي اور اپنے لئے ایک شوہر ڈھونڈ نے لگي۔
یہ سب باتیں میں اس لئے جانتاہوں کہ میں ایڈور ڈایوسي نیو میں رہتا ہوں اور سجاتا آرام ایوي نیو میں رہتي ہے، جو ایڈورڈ ایوي نیو سے ملحق ہے، ایڈورڈ ایو نیو کے نکڑ پر جي وائین کا جنرل اسٹور ہے، یہاں پر کبھي کبھار میري اور اس کي ملاقات ہوجاتي ہے، گو گفتگو کي کبھي نوبت نہیں آئي، اس جنرل اسٹور میں وہ تصویر کشي کے کاغذ خریدنے آتي تھي اور میں اپني فوٹو گرافي کا سامان، کئي بار ہم کائونٹر پر ساتھ ساتھ کھڑے دیکھے گئے، ایک دو بار میري اور اس کي کہني کے درمیان ایک دو انچ کا فاصلہ رہ گیا، مگر اس بات چیت کي نوبت نہیں آئي کیونکہ، سجاتا اپنے حسن پر اپنے سنہري بالوں پر اپنے کٹیلے سرخ لبوں پر اپني بھوري بھوري آنکھوں پر بے حد مغرور نظر آتي ہے، شاید وہ چاہتي تھي کہ میں پہل کرو اور میں چاہتا تھا کہ وہ پھل کرے اور میں نے دیکھ لیا ہے جس معاشقے میں مرد پہل کرتا ہے، اسے اس کا ضرورت سے زیادہ خمیازہ بگھتنا پڑتا ہے، پھر کچھ یہ بات بھي ہے، کہ میں اپني ٹویوٹا پر بے حد نازاں تھا، اور سوچتا تھا کہ جس مرد کے پاس ایسي خوبصورت گاڑي ہوگي اس کا دروازہ کھول کر لڑکي کو خود بخود بیٹھ جانا چاہئے۔
چناچہ یہ دلچسپ کشمکش دیر تک چلتي رہي۔
میں اسےاکثر مختلف مردوں کے ساتھ دیکھنے لگا، وہ لوگ بھي گاڑي والے تھے اور خوش پوش اور کھاتے پیتے چہرے والے ، جب وہ بار بار جلدي جلدي اپنے بوائے فرینڈز بدلنے لگي تو مجھے اس کے اخلاق پر شبہ ہونے لگا، حالانکہ جلدي جلدي بوائے فرینڈز بدلنا آج کل ہر شریف لڑکي کا شیوہ بن گیا ہے، کیونکہ یہي فیشن ہے۔

جو لڑکي اس فیشن کو اختیار کرتي ہے وہ ہائي سوسائٹي کي نظروں سے گر جاتي ہے، مگر بار بار اور نئے نئے چہروں کے بیچ میں ایک چہرہ بار بار

دیکھتا تھا، وہ درمیانے قد کا مضبوط بدن کا ٹھوڑي پر مخروطي داڑھي لئے ہوئے ایک نوجوان تھا، ہرے رنگ کي فیاٹ میں آتا تھا اور دھیرے دھیرے مجھے اس سے نفرت ہوتي جاتي، مگر یہ جان کر تسلي ہوئي تھي کہ، سجاتا دوسرے مردوں کے ساتھ بھي جاتي ہے، اور کسي دن دوسرے مردوں میں میرا نمبر بھي آسکتا ہے، زندگي اور عشق امید پر قائم ہیں، اسي لئے تو میں آج چار دن پہلے سجاتا کو پہلگام کے بازار میں غلام بٹ کي دکان پر دیکھ کر چونک اٹھا، وہ اکیلي تھي، جگہ بھي نئي تھي اور مارسیا مجھے غچادے کر لندن چلي گئي اور میں اکیلا تھا اور پہاڑوں پر سرگوشیاں کرتے ہوئے اشجار سب عورتوں کي یاد دلاتے ہیں ٹورازم کے محکمے کواس طرف دھیان دینا چاہئیے، کال گرل کا نام تو بہت بدنام ہوچکا ہے اس کي جگہ اگر ٹورسٹ ہوسٹس کانام رکھ دیاجائے تو اپنا کام بھي بن جائے اور حکومت پر بد اخلاقي کا الزام بھي نہ آئے، کیوں کیسي رہي یہ تجویز؟

خیر صاحب میں دکان کے اندر چلا گیا اور بڑي بے اخلاقي بے خوفي بلکہ گہري اپنائیت سے اسے کہا ہیلو۔

وہ میري طرف مڑي، آنکھوں میں حیرت لئے ہوئے، پھر مجھے پہچان لیا اور جب پہچان لیا تو اس کا چہرہ ماتھے سے ٹھوڑي تک ایک روشن مسکراہٹ سے چمک چمک گیا، دراصل اجنبي پہاڑوں پر اگر کوئي اپنا پہچان والا مل جائے تو بڑي خوشي ہوتي ہے۔

ہیلو وہ بولي آپ ایڈروڑ ایوي نیو میں رہتے ہیں نا؟

ہاں میں نے سر ہلایا اور آپ آرام ایوي نیو میں۔

گویا ہم دونوں ہمسائے ہیں، وہ خوشي سے ہنسي۔

میں پوچھا آپ اکیلي آئي ہیں؟ بھئي اس امر کا اطمینان کرلیا ضروري ہے۔

بالکل شہري زندگي کي ہماگمي سے بہت دب گئي تھي۔ وہ بولي سوچا پہلگام جاکر کچھ اکیلئے رہوں گي، قدرتي مناظر کي مصوري کروں گي۔

میں بھي اکیلا ہوں، میں نے اسے بتایا، پہلگام کي فوٹوڈاکومنڑي تیار کرنے کیلئے آگیا، مگر اس ڈاکو منٹري کیلئے آپ کي مدد درکار ہوگي۔

وہ کیسے؟میں نے کہا خالي قدرتي مناظر کي تصاویر لینا میري ڈاکو مینٹري کو گھس پٹي بنا دے گا، ان خوبصورت مناظر میں جان ڈالنے کیلئے ایک خوبصورت لڑکي بھي چاہئے، تم ان مناظر میں معني پیدا کردو گي۔

آپ تعریف کرنا جانتے ہیں، وہ پہلے تو شرمائي پھر کھلکھلا کر ہنس دي۔

عجیب بات ہے میں نے اسے کہا اتنے دنوں سے ہم دونوں اک دوسرے کے ہمسائے ہیں مگر ملاقات آج ہوئي۔

میں بھي آپ کو مادام ڈاینس کي دکان پر فوٹو گرافري کا سامان خریدتے دیکھتي تھي اکثر مگر نہ جانے بات چیت کیوں نہیں ہوئي۔

قصور دراصل میرا ہے، اتني حسین وجمیل لڑکي سے مرعوب ہوجانا قدرتي امر ہے۔

مگر میں تو معمولي لڑکي ہوں اور مغرور بھي نہیں ہوں۔
خیر جو وقت وہاں ممبئي میں ضائع کیا اس کي تلافي ہو سکتي ہے، میں نے گہري نظروں سے اسے تاکتے ہوئے کہا۔
آپ نے اپنا نام، تو بتایا ہي نہیں، وہ بولي۔
مجھے اکرام کہتے ہیں، اور آپ کا نام تو میں جانتا ہوں سجاتا، آپ کہاں ٹہري ہیں۔
منور ہوٹل کے قریب کاٹج بي چالیس اس کا نمبر ہے اور آپ۔۔۔؟
میں روز ویو ہوٹل میں ٹہرا ہوں، کمرہ نمبر اٹھارہ۔

اچھا میں چلتي ہوں، اس نے کاونٹر سے مڑ کر ایک قدم دکان کے باہر کي جانب بڑھایا۔
میرا ہاتھ بے اختیار اس کي کلائي پر گیا، ایسي بھي کیا جلدي ہے، چلئے روز ویو ہوٹل میں آپ کو بہت بڑھیا کافي پلائوں، اتني اچھي کافي پہلگام میں اور کہیں نہیں ملتي۔
وہ تھوڑي دیر تو مجھے عجیب نظروں سے دیکھتي رہي، پھر اس نے جیسے کوئي فیصلہ کرلیا ہو، مسکرا بولي، اچھا چلئیے۔
میں نے سوچا یہ پہلا قدم ہے لاونج میں بیٹھیں گے، نرگسي پھولوں کے گلدان کي اوٹ میں اس کي آنکھوں کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھتا رہوں گا اور اس کے پیارے چہرے کي دلچسپ ادائیں، باتیں ہوں گي، کتابوں کي، مصوري کي، ماڈلنگ کي، جدید فیشن کي، پھر میں اسے اپنے تازہ ترین فوٹو البم دکھانے کیلئے اپنے کمرے میں جانے کي دعوت دوں گا، یونہي زینہ بہ زینہ عشق کا جذبہ بلند ہوتا ہے۔
وہ بولي اکرام کہنے میں جبڑا دکھنے لگا ہے، اگر تمہیں برا نہ لگے تو میں اکي کہا کروں؟
اکي میں دل ہي دل میں خوشي سے اچھل پڑا، ایسا نام میري کسي بھي گرل فرینڈ کو آج تک کیوں نہیں سوجا۔
تمہارے منہ سے اکي بہت اچھا لگتا ہے، مگر خدا کیلے کبھي مجھے اکا نہ کہنا۔
وہ زور سے ہنسي دیر تک ہنستي رہي، میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا، اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دیا، میں اس کي انگلیوں سے کھیلنے لگا وہ دوسرے ہاتھ کي انگلیوں سے گلدان کے نرگسي پھولوں کو سجانے لگي۔
میں نے پوچھا سجاتا تمہیں عقل رکھنے والي کتابوں سے نفرت کیوں ہے؟

اس نے کہا میں اکثر دیکھتي ہوں کہ تمام کتابوں پر حتي کہ فلسفے کي کتابوں پر بھي کسي خوبصورت عورت کي تصویر ہوتي ہے، اب اگر کسي کتاب کو عوت کے سہارے کے بغیر بیچا نہیں جاسکتا تو یہ عقل کي بہت بڑي توہین ہے۔
عقل کي توہین نہیں ہے، عورت کي توصیف ہے، دراصل خود ایک طرح کا فلسفہ ہے، اس کتاب کو کھول کر ورق ورق پڑھنا چاہئیے۔
میں نے پوچھا فلموں میں تمہیں کیسي فلمیں پسند ہیں؟

وہ بولي ايک ايسي فلميں جن ميں مرد بے وفا ہوتے ہيں اور عورتيں ان کے لئے رو رو کر جان دے ديتي ہيں، يعني بالکل روايتي فلميں۔
اور ماڈلنگ کيوں چھوڑ دي؟
وہ لوگ اسٹوڈيوں کو بيڈ روم ميں بدلنے کے خواہش مند ہوتے ہيں اور ميں دونوں جگہوں کو الگ الگ سمجھتي ہوں۔
کافي جلدي ختم ہوگئي ميں نے اس سے کہا تمہارے لئے کافي اور مناگائوں؟
نہيں اب ميں جائوں گي، وہ گھڑي ديکھ کر بولي۔
ميں نے کہا اوپر چلو ميرا تازہ فوٹو البم ديکھو ميرے کمرے ميں۔
يہ تو مجھے کہا ہي تھا، اس بات کو تو کہا ہي جاتا ہے، ايک نہ ايک وقت اور جواب سننے کيلئے دل دھڑکتا ہے۔
وہ رکي سنجيدہ ہوئي، مسکرائي، پھر ميري طرف ديکھ کر کھلکھلا کر ہنسي۔
ميں نے اداس ہو کر کہا، شايد تمہارے پاس وقت نہيں ہے۔
ميرے پاس وقت ہي وقت ہے، وہ لاپرواہي کے انداز ميں ہاتھ جھلا کر بولي۔
مگر کمرے ميں کيوں چليں، کيا ہم لوگ پہاڑوں پر کمروں ميں بند ہونے آئے ہيں۔
پھر تمہارا کيا ارادھ ہے؟ ميں نے پوچھا۔
اس نے پوچھا، تمہارے پاس گاڑي ہے۔

ہاں، کچھ اميد بندھنے لگي، ميں نے جلدي سے کہا، اپني ٹويوٹا ساتھ لايا ہوں۔
تو پہلگام سے دور کہيں چلتے ہيں، وہ بولي ميرے ذہن ميں ايک جگہ ہے، چندي داڑي کے راستے پر بائيں جانب ايک وادي کے دامن ميں پہاڑي جھرنا ہے ديودار کے پيڑوں کا ايک خوبصورت کنج ہے، سامنے پھولوں کي جھاڑيوں سے بھرا ہوا ايک ميدان ہے وہاں چليں گے، وہاں دن بھر رہيں گے، شام کو لوٹ آئيں گے، تم اپنا کيمرہ لے چلو، ميں اپنا مصوري کا سامان لے چلتي ہوں، يعني اگر ہم ايک دوسرے سے اکتا گئے ہيں تو---وہ عجيب طريقے سے ہنسي۔
ميرے ذہن ميں وہ وادي گھوم گئي اور دونوں بچوں کي طرح پھولوں کے قطعوں پر لوٹتے ہوئے، ہاتھ ميں ہاتھ ڈالےدوڑتے ناچتے ہوئے، پھولوں ميں گھر کر ايک دوسرے سے لپٹ کر پيار کرتي ہوئي نگاہوں ميں گرم گرم سانسوں ميں نھني نھني سرگوشياں جو محبت کے چشمے پر بلوريں حباب کي طرح ناچتي رہتي ہيں، وہ سب کچھ----
ميں نے اپني گاڑي نکالي اور پن چکي کے پل سے ہو کر چندن داڑي کي طرف بڑھ گيا، ہوا تيز تھي، سجاتا کے بال گہرے گلابي ہوچکے تھے، اس نے اپنے اڑتے ہوئے بالوں پر ايک کشميري رومال باندھ ليا تھا جس سے وہ بے حد پر اسرار معلوم ہونے لگي تھي، ميں جلد سے جلد اس کنج ميں پہنچ جاتا چاہتا تھا، مبادا کہيں سجاتا اپنا ارادہ تبديل نہ کردے۔
آدھے گھنٹے سے بھي کم عرصے ميں وہ وادي سامنے آگئي، يہاں سڑک اوجھل ہوگئي، ميں نے انجن کٹ کرديا، اورپٹ کھول ديا، سجاتا اپنا سامان لے کر باہر

نکل اور میں اپنا سامان لے کر ہم دونوں جھرنے کي طرف بڑھ گئے۔

بڑي خوبصورت جگہ تھي، جیسا کہ سجاتا نے بیان کیا تھا صاف شفاف پاني گنگناتا ہوا، اور جنگلي پھولوں کے قطعے قطار اندر قطار ڈھلانوں پر دیوار کے پیڑا اور بادل سفید بطخوں کي طرح آسمان پر تیرتے ہوئے، یکا یک ایک آدمي جھرنے کے قریب سے اٹھا، میں نے اسے دیکھا جہاں سے وہ اٹھا تھا، اس کے قریب ایک ابزال بھي اپنے لکڑي کے چوکھنے کو لئے کھڑا تھا، میں نے اس آدمي کو پہچان لیا تھا، یہ وہي آدمي تھا جو اپني ہري فیاٹ میں سجاتا سے ملنےسجاتا کے گھر آتا تھا۔
وہ آدمي مسکراتے ہوئے سجاتا کي طرف بڑھا بڑي دیر کر دي، اس کے منہ سے نکلا۔
سجاتا اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑي لجاجت سے بولي کیا کرتي ڈارلنگ کوئي گاڑي ہي نہیں ملي، بڑي مشکل سے ان کو میري طرف اشارہ کرکے تیار یہاں تک آئي ہوں، یہ ہیں مسٹر اکرام، اور مسٹر اکرام یہ ہیں میرے شوہر نورشاہ۔
نورشاہ نے زبردستي میرا ہاتھ کھینچ کر مجھے سے مصافحہ کیا اور بولا آپ لنچ تک تو ٹھیریں گے نا؟ میں نے اس کي آواز سني اور پھر چند لمحوں کیلئے ساري وادي میري نگاہوں میں گھوم گئي۔
شکریہ ایک پھنسي ہوئي آواز میرے گلے سے نکلي، پھر میں وادي میں سے مڑااور اپنا ٹویوٹا میں بیٹھ کر واپس چلا گیا۔
چلے چلتے دیر تک سجاتا فاتحانہ قہقہ میرے کانوں میں ہونجتا رہا۔
اکرام نے اتنا کہہ کر قصہ ختم اور گلاس ختم کردیا، پھر بار میں بیٹھے ہوئے اپنے ساتھیوں کي طرف دیکھ کر بولا۔
تو صاحب یہ ہے کل کي داستان، آئیے عورت کي بے وقوفي اور حماقت کو ٹوسٹ کرتے ہوئے ایک جام پئیں، بیرہ ایک ڈبل ڈمپل اور مارو۔

مہا لکشمي کا پل

مہا لکشمي اسٹیشن کے اس پار مہا لکشمي جي کا ایک مندر ہے اسے لوگ ریس کورس بھي کہتے ہیں، اس مندر میں پوجا کرنے والے لوگ ہارتے زیادہ ہیں جیتتے کم ہیں، مہا لکشمي کے اسٹیشن کے اس پار ایک بہت بڑي بدروہے جو انساني جسموں کي غلاظت کو اپنے متعفن پانیوں میں گھولتي ہوئي شہر سے باہر چلي جاتي ہے، مندر میں انسان کے دل کي غلاظت دھلتي ہے اور بدررو میں انسان کے جسم کي غلاظت اور ان دونوں کے بیچ میں مہا لکشمي کا پل ہے۔

مہا لکشمي کے پل کے اوپر بائیں طرف لوہے کے جنگلے پر چہ ساڑھیاں لہرا رہي تھي، پل کے اس طرف ہمیشہ اس مقام پر چند ایک ساڑھیاں لہرا رہي ہیں، یہ ساڑہیاں کوئي بہت قیمتي نہیں ہیں، یہ لوگ یہاں ہر روز ان ساڑھیوں کو دھو کر سوکھنے کیلئے ڈال دیےہیں، اور ریلوے لائن کے آر پار جاتے لوگ مہا لکشمي اسٹیشن پر گاڑي کا انتظار کرتے ہوئے لوگ گاڑي کي کھڑکي اور دروازوں سے جھانک کر باہر دیکھنے والے لوگ اکثر ان ساڑھیوں کو ہوا میں جھولتا ہوا دیکھتے ہیں۔
وہ ان کے مختلف رنگ دیکھتے ہیں، بھورا، گہرا بھورا ، نیلا، قرمزي بھورا، گندا سرخ گہرا نیلا اور لال، وہ لوگ اکثر انہیں رنگوں کو فضا میں پھلیے ہوئے دیکھتے ہیں، ایک لمحے کیلئے دوسرے لمحے میں گاڑي پل کے نیچے سے گزر جاتي ہے، ان ساڑھیوں کے رنگ اب جاذب نظر نہیں رہے۔
کسي زمانے میں ممکن ہے جب یہ نئي نئي خریدي گئي ہوں، ان کے رنگ خوبصورت اور چکمتے ہو رہے ہوں ، مگر اب نہیں ہیں متواتر دھوئے جانے سے ان کے رنگوں کي آب و تاب مرچکلي ہے، اور اب یہ ساڑھیاں اپنے پھیکے سیٹھے روز مرہ کے انداز کو لئے بڑي بے دلي سے جنگلے پر پڑي نظر آتي ہیں، آپ دن میں انہیں سو بار دیکھئے یہ آپ کو کبھي خوبصورت دکھائي نہیں دیں گي۔
ان کا رنگ و روپ اچھا ہے، نہ ان کا کپڑا، یہ بڑي سستي ، گھٹیا قسم کي ساڑھیاں ہیں، ہر روز دھلنے سے ان کا کپڑا بھي تار تار ہو رہا ہے، ان میں کہیں کہیں روزن بھي نظر آتے ہیں، کہیں ادہڑے ہوئے ٹانکے ہیں کہیں بد نما چتلے داغ جو اس قدر پائدار ہیں کہ دہوئے جانے سے بھي نہیں دھلے بلکہ اور گہرے ہوتے جاتے ہیں، میں ان ساڑھیوں کي زندگیوں کو جانتا ہوں، کیونکہ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں اجو ان ساڑھیوں کو استعمال کرتے ہیں۔
یہ لوگ مہا لکشمي کےپلکے قرین ہي بائیں طرف آٹھ نمبر کي چال میں رہتے ہیں یہ چال متوالي نہیں، بڑي غریب سي چال ہے، میں بھي اس میں رہتا ہوں، اس لئے آپ کو ان ساڑھیوں اور نا کے پہننے والوں کے متعلق سب کچھ بتا سکتا ہوں، ابھي وزیر اعظم کي گاڑي آنے میں بہت دیر ہے آپ انتظار کرتے کرتے اکتا جائیں گے، اس لئے اگر آپ ان چہ ساڑھیوں کي زندگي کے بارے میں سن لیں تو وقت آساني سےکٹ جائے گا ادھر یہ جو بھورے رنگ کي ساڑھي لٹک رھي ہے یہ شانات بائي کي ساڑھي ہے، اس کے قریب جو ساڑھي لٹک رھي ہے وھ بھي آپ کو بھورے رنگ کي دیکھادیتي ہوگي، مگر وہ تو گہرے بھورے رنگ کي ہے۔
آپ نہیں میں اس کا گہرا بھورا رنگ دیکھ سکتا ہوں، کیوں کہ میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب اس کا رنگ چمکتا ہو گہرا بھورا تھا، اب اس دوسري ساڑھي کا رنگ بھي ویسا ہي بھورا ہے، جیسا شانتي بائي کي ساڑھي کا اور شاید آپ ان دونوں ساڑھیوں میں بڑي مشکل سے فرق محسوس کرسکیں گے، میں بھي جب ان کے پہننے والوں کي زندگیوں کو دیکھتا ہوں، تو بہت کم فرق

محسوس کرتا ہوں، مگر یہ پہلي ساڑھي ہے اور جس کا گہرا رنگ ہے، وہ شانتا بائي کي ساڑھي ہے اور جو دوسري بھورے رنگ کي ساڑھي ہے اور جس کا گہرا بھورا رنگ صرف ميري آنکھيں ديکھ سکتي ہيں وہ جيونا بائي کي ساڑھي ہے۔

کسي زمانے ميں ممکن ہے جب يہ نئي نئي خريدي گئي ہوں، ان کے رنگ خوبصورت اور چکمتے ہو رہے ہوں ، مگر اب نہيں ہيں متواتر دھوئے جانے سے ان کے رنگوں کي آب و تاب مرچکلي ہے، اور اب يہ ساڑھياں اپنے پھيکے سيٹھے روز مرہ کے انداز کو لئے بڑي بے دلي سے جنگلے پر پڑي نظر آتي ہيں۔
آپ دن ميں انہيں سو بار ديکھئے يہ آپ کو کبھي خوبصورت دکھائي نہيں ديں گي، ان کا رنگ و روپ اچھا ہے، نہ ان کا کپڑا، يہ بڑي سستي ، گھٹيا قسم کي ساڑھياں ہيں، ہر روز دھلنے سے ان کا کپڑا بھي تار تار ہو رہا ہے، ان ميں کہيں کہيں روزن بھي نظر آتے ہيں، کہيں ادہڑے ہوئے ٹانکے ہيں کہيں بد نما چتلے داغ جو اس قدر پائدار ہيں کہ دہوئے جانے سے بھي نہيں دھلے بلکہ اور گہرے ہوتے جاتے ہيں۔
ميں ان ساڑھيوں کي زندگيوں کو جانتا ہوں، کيونکہ ميں ان لوگوں کو جانتا ہوں اجو ان ساڑھيوں کو استعمال کرتے ہيں، يہ لوگ مہا لکشمي کےپلکے قرين ہي بائيں طرف آٹھ نمبر کي چال ميں رہتے ہيں يہ چال متوالي نہيں، بڑي غريب سي چال ہے، ميں بھي اس ميں رہتا ہوں، اس لئے آپ کو ان ساڑھيوں اور نا کے پہننے والوں کے متعلق سب کچھ بتا سکتا ہوں، ابھي وزير اعظم کي گاڑي آنے ميں بہت دير ہے آپ انتظار کرتے کرتے اکتا جائيں گے۔
اس لئے اگر آپ ان چھ ساڑھيوں کي زندگي کے بارے ميں سن ليں تو وقت آساني سےکٹ جائے گا ادھر يہ جو بھورے رنگ کي ساڑھي لٹک رھي ہے يہ شانات بائي کي ساڑھي ہے، اس کے قريب جو ساڑھي لٹک رھي ہے وھ بھي آپ کو بھورے رنگ کي ديکھاديتي ھوگي، مگر وہ تو گہرے بھورے رنگ کي ہے، آپ نہيں ميں اس کا گہرا بھورا رنگ ديکھ سکتا ھوں، کيوں کہ ميں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب اس کا رنگ چمکتا ہو گہرا بھورا تھا، اب اس دوسري ساڑھي کا رنگ بھي ويسا ہي بھورا ہے۔
جيسا شانتي بائي کي ساڑھي کا اور شايد آپ ان دونوں ساڑھيوں ميں بڑي مشکل سے فرق محسوس کرسکيں گے، ميں بھي جب ان کے پہننے والوں کي زندگيوں کو ديکھتا ہوں، تو بہت کم فرق محسوس کرتا ہوں، مگر يہ پہلي ساڑھي ہے اور جس کا گہرا رنگ ہے، وہ شانتا بائي کي ساڑھي ہے اور جو دوسري بھورے رنگ کي ساڑھي ہے اور جس کا گہرا بھورا رنگ صرف ميري آنکھيں ديکھ سکتي ہيں وہ جيونا بائي کي ساڑھي ہے۔

شانتا بائي کي زندگي بھي اس ساڑھي کے رنگ کي طرح بھوري ہے شانتا بائي برتن مانجھنے کا کام کرتي ہے، اس کے تين بچے ہيں، ايک بڑي لڑکي ہے دو

چھوٹے چھوٹے لڑکے ہیں، بڑي لڑکي کي عمر چه سال کي ہوگي، سب سے چھوٹا لڑکا دو سال کا ہے، شانتا بائي کا خواند سیون مل کے کپڑے کھاتے میں کام کرتا ہے۔
اسے بہت جلد جانا ہوتا ہے، اس لئے شانتا بائي اپنے خاوند کیلئے دوسرے دن کي دوپہر کا کھانا رات ہي کو پکا رکھتي ہے، کیوں کہ صبح اسے خود برتن صاف کرنے کیلئے اور پاني ڈھونے کیلئے دوسرے گھروں مین جانا ہوتا ہے، اور اب وہ ساتھ میں اپني 6 برس کي بچي کو بھي لے جاتي ہے، اور دوپہر کے قریب چال میں واپس آتي ہے، واپس آکے وہ نہاتي ہے اور اپني ساڑھي دھوتي ہے اور سکھانے کیلئے پل کے جنگلے پر ڈال دیتي ہے اور پھر ایک بے حد غلیظ اور پراني دھوتي پہن کر کھانا پکاتي ہے۔
شانتا بائي کے گھر چولھا اس وقت سلگ سکتا ہے جب دوسروں کے ہاں چولھے ٹھنڈے ہوجائیں، یعني دوپہر کو دو بجے اور رات کے نو بجے ،ان اوقات کے ادھر اور ادھر اسے دونوں وقت گھر سے باہر برتن مانجھنے اور پاني ڈھونے کا کام کرنا ہوتا ہے، اب تو چھوٹي لڑکي اس کا ہاتھ بٹا تي ہے۔

شانتا بائي برتن صاف کرتي ہے، چھوٹي لڑکي برتن دھوتي جاتي ہے، دو تین بار ایسا بھي ہوا کہ چھوٹي لڑکي کے ہاتھ سے چیني کےبرتن کر کرٹوٹ گئے، اب مین جب چھوٹي لڑکي کي آنکھیں سوجي ہوئي دیکھتا ہو اور اس کے گال سرخ دیکھتا ہوں تو سمجہ جاتا ہوں کہ کسي بڑے گھر میں چیني کےبرتن ٹوٹے ہیں۔
اس دن شانات بائي بھي میرے نمستے کا جواب نہیں دیتي ہے، جلتي بھنتي بڑ بڑاتي چولھا سلگانے میں مصروف ہوجاتي ہے، اور چولھے میں آگ کم اور دھواں زیادہ نکلنے میں کامیاب ہو جاتي ہے، چھوٹا لڑکا جو دو سال کا ہے دھویں سے اپنا دم گھٹتا دیکھ کر چیختا رہتا ہے، تو شانتا بائي اس کے چیني ایسے نازک رخساروں پر زور زور سے چپتیں لگانے سے باز نہیں آتي ہے۔
اس پر بچہ اور زیادہ چیختا ہے، یوں تو یہ دن بھر روتا ہے کیون کہ اسے دودھ نہیں ملتا ، اور اسے اکثر بھوک لگتي ہے اور دو سال کي عمر ہي میں اسے باجرے کي روٹي کھانا پڑتي ہے، اسےپانیماں کا دودھ اپنے دوسرے بہن بھائیوں کي طرح چرف پہلے چه سات ماہ نصین ہوا اور وہ بھي بڑي مشکل سے، پھر یہ بھي خشک باجري اور ٹھنڈے پاني پینے لگا ہماري چال کے سارے بچے اسي خوراک پر پرلتے ہیں وہ دن بھر ننگے ہیں اور رات کو گدڑي اوڑھ کر سو جاتے ہیں سوتے میں بھي وہ بھوکے رہتے ہیں۔
اور جب شانتا بائي کے خاوند کے خاوند کي طرح بڑے ہوجاتے ہیں تو دن بھر خشک باجري اور ٹھنڈا پاني پي پیکر کام کرنے جاتے ہیں، اور ان کي بھوک بڑھ جاتي ہے اور ہر وقت معدے کے اندر اور دل کے اندر اور دماغ کے اندر ایک بوجه سي دھمک محسوس کرتے ہیں اور جب پگار ملتي ہے تو ان میں سے کئي اک سیدے تاڑي خانے کا رخ کرتے ہیں، تاڑي پي کر چند گھنٹوں کیلئے یہ دہک زائل ہوجاتے ہیں لیکن آدمي ہمیشہ تو تاڑي پي نہیں سکتا، ایک دن پئي گا

دو دن پئیے گا، تیرے دن کي تاڑي کیلئے پیسے کہاں سے لائے گا، آخر کھولي کا کرایہ دیتا ہے، راشن کا خرچہ ہے۔

بھاجي ترکاري ہے، تیل اور نمک ہے، بجلي اور پاني ہے، شانتا بائي کي بھوري ساڑھي ہے جو چھٹے ساتویں ماہ تار تار ھوجاتي ہے، کبھي سات ماہ سے زیادہ نہیں چلتي ، یہ مل والے بھي پانچ روپے چار آنے میں کیسي کھدري نکمي ساڑھي دیتےہیں۔
اس کپڑے میں ذرا جان نہیں ہوتي چھٹے ماہ سے جو تار تار ہونا شروع ہوتا ہے تو ساتویں ماہ بڑي مشکل سے سي کے، جوڑ کے، گانٹھ لگا کے، ٹانکے لگا کے کام دیتا ہے، اور پھر وہ ہي پانچ روپے چارآنے خرچ کرنےپڑتے ہیں، اور وہ ہي بھورے رنگ کي ساڑھي آجاتي ہے، شانتا کو یہ رنگ بہت پسند ہے۔
اسلئے کہ یہ میلا بہت دیر میں ہوتا ہے اسے گھروں میں جھاڑو دینا ہوتي ہے، برتن صاف کرنے ہوتے ہیں تیسري چوتھي منزل تک پاني ڈھونا ھوتا ہے، وھپ بھورا رنگ نہیں پسند کرے گي تو کیا کھلتے رنگ گلابي، بسنتي، نارنجي پسند کرے گي، وھ اتني بیوہ قوف نہیں ہے، لیکن کبھي اس نے یہ شوخ رنگ بھي دیکھے تھے پہنے تھے، انہیں اپنے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پیار کیا تھا، جب وھ دھاراوار میں اپنے گائوں میں تھي۔
جہاں اس نے بادلوں میں شوخ رنگوں والي دھنک دیکھي تھي، جہاں میلوں میں اس نے شوخ رنگ ناچتے دیکھے جہاں کہ باپ کا دھان کے کھیت تھے، ایسے شوخ ہرے ہرے رنگ کے کھیت اور آنگن میں پیرو کا پیڑ جس کے ڈال ڈال سے وہ توڑ توڑ کے کھایا کرتي تھي، جانے اب وھ پیرووں میں مزا ہي نہین وہ شیرني اور گھلاوت ہي نہیں، وہ رنگ، وہ چمک و دمک کہاں جاکے مرگئي۔
وہ سارے خواب رنگ کیوں یک لخت بھورے رنگ کے ہوگئے، شناتابائي کبھي برتن مانجتے مانجتے، کھانا پکاتے پکاتے، اپني ساڑھي سےپاني کے قطرے آنسوئوں کي طرح ریل کي پٹڑي پر بہتے جاتے ہیں اور دوسرے دیکھنے والے لوگ ایک بھورے رنگ کي بدصورت عورت کو پل کے اوپر جنگلے پر ایک بھوري ساڑھي کو پھیلا ہوئے دیکھتے ہیں اور بس دوسرے لمحے میں گاڑي پل کے نیچے سے گزر جاتي ہے۔

جیو نابائي کي ساڑھي جو شانتا بائي کي ساڑھي کے ساتھ لٹک رہي ہے گہرے بھورے رنگ کي ہے، بظاہر اس کا رنگ شانتا بائي کي ساڑھي سے بھي پھیکا نظر آے گا، لیکن اگر آپ اسے غور سے دیکھیں گےتو اس کے پھیکے پن کے باوجود یہ آپ کو گہرے رنگ کي نظر آئے گي۔
یہ بھي ساڑھے پانے روپے چار آنے کي ہے،اور بڑي ہي بوسیدہ ہے، دو ایک جگہ سے پھٹي ہوئي تھي لیکن اب وہاں سے ٹانکے لگ گے تھے، اور اتني دور سے معلوم بھي ہوتے تھے، ہاں آپ وہ بڑا ٹکرا ضرور دیکھ سکتے ہیں جو گہرے نیلے رنگ کا ہے اس ساڑھي کے بیچ میں جہاں سے یہ ساڑھي بہت پھٹ چکي ہے، لگایا گیا، یہ ٹکڑا جیونا بائي کي اس پہلي ساڑھي کا ہے اس دوسري

ساڑھي کو مظبوط بنانے کيلئے استعمال کيا گيا، جيونا بائي بيوہ ہے۔
اس لئے وہ ہميشہ پراني چيزوں سے نئي چيزوں کو مظبوط بنانے کے ڈھونگ سوچا کرتي ہے پراني يادوں سے نئي يادون کي تلخيوں کو بھول جانے کي کوشش کيا کرتي ہے، جيونابائي اپنے اس خاوند کيلئے روتي ہے،جس نے ايک دن نشے ميں مار مار رک اس کي ايک آنکہ کاني کر ڈالي تھي، وہ اس لئے نشے ميں تھا کہ وہ اس روز مل سے نکالا گيا تھا، بڈہ ڈھونڈا اب مل ميں کس کام کا نہيں رہا تھا۔
گو وہ بہت تجربہ کار تھا ليکن اس کے ہاتھوں ميں اتني طاقت نہ رہي تھي کہ وہجوان مزدوروں کا مقابلہ کرسکتا، بلکہ وہ تو اب دن رات کھانسي ميں مبتلا رہنے لگا تھا، کپاس کے نھنے نھنے ريشے اس کے پھيپڑوں ميں جاکے ايسے دھنس گئے تھے، جيسے چرخيوں اور اينٹوں ميں سوت کے چھوٹے چھوٹے ميہن تاگے پھنس جاتے ہيں، جب برسات آتي تو يہ نھنے نھنے ريشے اسے دمے ميں مبتلا کرديتے اور جب برسات نہ ہوتي تو وہ دن بھر اور رات بہ کھانستا، ايک خشک اور مسلسل کھنکھار گھر مين اور کارخانے ميں جہاں وہ کام کرتا تھا۔

سنائي ديتي رہتيم مل کے مالک نے اس کھانسي کي خطرناک گھنٹي کو سنا اور ڈھونڈ کر مل سے نکال ديا، ڈھونڈو اس کے چہ ماہ بعد مر گيا، جيونابائي کو اس کے مرنے کا بہت غم ہوا تھا، کيا ہوا اگر ايک دن غصہ ميں آکر اس نے جيونا بائي کي ايک آنکہ نکال دي تو، تيس سال کي شادي شدہ زندگي ايک لمحے کے غصے پر قربان نہيں کي جاسکتي اور اس کا غصہ بجا تھا۔
اگر مل مالک ڈھونڈو کو يوں بے قصور نوکري سے الگ نہ کرتا تو کيا جيونا کي آنکہ نکل سکتي تھي، ڈھونڈو ايسا نہ تھا، اسے اپني بے کاري کا غم تھا، اپني35 سالہ سے برطرف ہونے کا غم تھا، اسي طرح خالي ہاتہ واپس لٹا، اور دروازے سےباہر نکلنے پر اور اپنا نمبري کارڈ پيچھے چھوڑ آنے پر اسے ايک دھچکا سا لگا۔
باہر آکے اسے ايسا معلوم ہوا جيسے ان 35 سالوں ميں کسي نے اس کا سارا رنگ، سارا خون، اس کا سارا رس چوس ليا ہو، اور اسے بيکار کر سمجہ کر باہر کوڑے کرکٹ کے ڈھير پر پھينک ديا ہو، جو بالکل اس کے سر پر ايک خوفناک ديو کي طرح آسمان سے لگي کھڑي تھي،يکا يک ڈھونڈو نے غم اور غصے سے اپنے ہاتہ ملے، زمين پر زور سے تھوکا اور پھرتاڑي خانے ميں چلاگيا۔

ليکن جيونا کي ايک آنکہ جب بھي نہ جاتي، اگر اسکے پاس علاج کيلئے پيسے ہوتے، وہ آنکہ تو گل گل کر، سڑ سڑ کر، خيراتي اسپتالوں ميں ڈاکٹروں، کمپونڈروں اور نرسوں کي بد احتياطي اور گاليوں اور لاپروائيوں کا شکار ہوگئي، اور جب جيونا اچھي ہوگئي تو ڈھونڈو بيمار پڑگيا۔
اور ايسا بيمار پڑا کہ پھر بستر سے نہ اٹہ سکا، ان دنوں ميں جيونا اس کي ديکہ

بھال کرتي تھي، شانتا بائي نے مدد کے طور پر اسے چند گھروں میں برتن مانجنے کا کام دلوایا تھا، اور گوہ وہ اب بوڑھي تھي، اور مشاقي اور صفائي سے برتنوں کو صاف نہ رکہ سکتي تھي، پھر بھي وہ آہستہ آہستہ رینگ رنگ کر اپنے کمزور ہاتھوں میں جھوٹي طاقت کے بودے سہارے پر جیسے تیسے کام کرتي رہتي، خوبصورت لباس پہنے والي، خوشبو دار تیل لگانے والي بیویوں کي گالیاں سنتي رہي، اور کام کرتي رھي۔
کیونکہ اس کا ڈھونڈو بیمار تھا اور اسے اپنے آپ کو اور اپنے خاوند کو زندہ رکھنا تھا لیکن ڈھونڈو زندہ نہ رہ سکا اور اب جیونا بائي اکیلي تھي، خیریت اس میں تھي کہ اکیلي تھي، اور اب اسے صرف اپنا دھندا کرنا تھا، شادي کے دو سال بعد اس کے اس کے ہاں ایک لڑکي پیدا ہوئي، لیکن جب وہ جوان ہوئي تو سکي بدمعاش کے ساتھ بھاگ گئي اور اس کا آج تک پتہ نہیں ہے، پھرکسي نے بتایا کہ وہ اور پھر بعد میں بہت سے لوگوں نے بتایا کہ جیونا بائي کي بیٹی فارس روڈ پر چمکیلا بھڑکیلا لباس پہنے بیٹھي ہے۔
لیکن جیونا بائي کو یقین نہ آیا، اس نے اپني ساري زندگي پانچ روپے چار آنے کي دہوتي پہنے بسر کر دي، اور اسے یقین تھا کہ اس کي لڑکي بھي ایسا کرے گي، وہ ایسا نہ کرے گي، اس کا اسے کبھي خیال نہ آیا تھا، وہ کبھي فارس روش نہیں گئي، کیونکہ اسے اس کا یقین تھا کہ اسکي بیٹی وہاں نہیں ہے، بھلا اس کي بیٹي وہاں کیوں جانے لگي، یہاں اپني کھولي میں کیا نہیں ہے پانچ روپے چار آنے والي دھوتي تھي، باجرے کي روٹي تھي۔
ٹھنڈا پاني تھا، سوکھي عزت تھي، اور یہ سب کچہ چھوڑ کر کے وہ فارس روڈ کیوں جانے لگي، اسے تو کوئي بد معاش اپني محبت کا سبز باغ دکھا کے لے گیا، کیونکہ عورت محبت کیلئے سب کچہ کر گزرتي ہے، خود وہ تیس سال پہلے اپنے ڈھونڈو کیلئے اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر یہیں چلي آئي، جس دن ڈھونڈو مرا اور جب لوگ اس کي لاش کو جلانے کیلئے جانے لگے اور جیونا نے اپني سیندور کي ڈبیا اپني بیٹي کي انگیا پر انڈیل دي، جو اس نے بڑي مدت سے ڈونڈو کي نظروں سے چھپا کر رکھي تھي۔

عین اسي وقت ایک گدائے ہوئے جسم کي بھاري عورت چمکیلا لباس پہنے اس سے آکے لپٹ گئي، اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگي اور اسے دیکہ کر جیونا کو یقین آگیا، جیسے اب سب کچہ مرگیا، اس کا پتي، اس کي بیٹ، اس کي عزت، جیسے ون زندگي بھر روٹي نہیں ، غلاظت کھاتي رہي ہے، جیسے اس کے پاس کچہ نہیں تھا، شروع ہي سے کچہ نہیں تھا، پیدا ہونے سے پہلے ہي اس سے سب کچہ چھین لیا گیا، اے تنہا، ننگا اور بے عزت کر دیا گیا، اور جیونا کا خاوند زندگي بھر کام کرتا رہا اور وہ جہاں اس کي آنکہ اندھي ہوگئي اور وہ جگہ جہاں اس کي بیٹي اپني دکان سجا کر بیٹہ گئي۔
ایک بہت بڑا اندھا کارخانہ ہے جس میں کوئي ظالم جابر ہاتہ انساني جسموں کیلئے گنے کا رس نکالنے والي مشین میں ٹھونستا جاتا ہے اور دوسرے ہاتہ

ست توڑ مروڑ کر دوسري طرف پھينکتا جاتا ہے، اور يکا يک جيونا اپني بيٹی کو دھکا دےکر چيخ مار مار کر رونےلگتے ہے۔
تيسري ساڑھي کا رنگ مٹ ميلا نيلا ہے، يعني نيلا بھي ہے، اور ميال بھي ہے، اور مٹيالا بھي ہے کچھ ايسا عجيب رنگ ہے جو بار بار دھونے پر بھي نہيں نکھرتا اور غليظ ہوتا جاتا ہے، يہ ميري بيوي کي ساڑھي ہے ميں فورٹ ميں دھنو بھائي کي فرم ميں کلرکي کرتا ہوں، پينسٹھ روپے تنخواہ ملتي ہے، سيون مل اور بکسر يامل کے مزدوروں کو بھي يہي تنخواہ ملتي ہے، اس لئے ميں بھي انہيں کے ساتھ آٹھ نمبر چال کي ايک کھولي ميں رھتا ہوں، مگر ميں مزدور نہيں ہوں، کلرک ہوں، ميں انگريزي ميں لکھ سکتا ہوں، ميں فورٹ ميں نوکر ھوں، ميں دسويں پاس ہوں، ٹائپ کرسکتا ہوں۔
ميں انگريزي ميں لکھ سکتا ہوں، ميں اپنے وزيراعظم کي تقرير جلسے ميں سن کر سمجھ سکتا ہوں، آج تھوڑي دير بعد ان کي گاڑي مہا لکشمي ر آئے گي، نہيں وہ ريس کورس نہيں جائيں گے، وہ سمندر کے کنارے ايک شاندار تقرير کريں گے۔

اس موقع پر لاکھوں آدمي جمع ہوں گے، ان لاکھوں ميں ميں بھي ايک ہوں گا، ميري بيوي کو اپنے وزير اعظم کي باتيں سننے کا بڑا شوق ہے، مگر ميں اسے اپنے ساتھ لے نہيں جاسکتا کيونکہ ہمارے آٹھ بچے ہيں اور گھر ميں ہر وقت پريشاني سي رہتي ہے، جب ديکھو کوئي نہ کوئي چيز کم ہو جاتي ہے۔
راشن تو روز کم پڑتا ہے، اب نل ميں پاني بھي کم آتا ہے، رات کو سونے کيلئے جگہ بھي کم پڑتي ہے اور تنخواہ تو اس قدر کم پڑتي ہے کہ مہينے ميں صرف پندرہ دن چلتي ہے باقي پندرہ دن سود خور پٹھان چلاتا ہے، اور رہ بھي کيسے گالياں بکتے بکتے، گھسٹ گھسٹ کر کسي سست رفتار مال گاڑي کي طرح يہ زندگي چلتي ہے۔
ميرے آٹھ بچے بچے ہيں مگر يہ اسکول ميں نہيں پڑھتے ہيں اس کي فيس کے پيسے کبھي نہ ہوں گے، پہلے پہلے جب ميں نے بيان کيا تھا تو ساوتري کو اپنے گھر يعني کھولي ميں لايا تھا، تو ميں نے سوچا تھا ان دنوں ساوتري بھي بڑي اچھي اچھي باتيں سوچا کرتي تھي، گوبھي کے نازک نازکے پتوں کي طرح پياري پياري باتيں، جب وہ مسکراتي تو سنيما کي تصوير کي طرح خوبصورت دکھاديتي تھي، اب وہ مسکراہٹ نہ جانے کہاں چلي گئي، اسکي جگہ ايک مستقل تيوري نے لے لي ہے، وہ ذرا سي بات پر بچوں کو بے تحاشہ پيٹنا شروع کرديتي، اور ميں تو کچھ بھي کہو کسي بھي کہو کتني ہي لجحات سے کہوں وہ تو مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتي ہے، پتہ نہيں ساوتري کو کيا ہو گيا ہے۔
پتہ نہيں مجھے کيا ہو گيا ہے ميں دفتر ميں سيٹھ کي گالياں سنتا ہوں، گھر پر بيوي کي گالياں سنتا ہوں، اور ہميشہ خاموش رہتا ہوں، کبھي کبھي سوچتا ہوں شايد ميري بيوي کو ايک نئي ساڑھي کي ضرورت ہے، شايد اسے صرف ايک نئي ساڑھي ہي نہيں ايک نئے چہرے ايک نئے گھر ايک نئے ماحول ايک نئي

زندگي كي ضرورت ہے ، مگر اب ان باتوں كو سوچنے سے كيا ہوتا ہے، اب تو آزادي آگئي ہے اور ہمارے وزير اعظم نے بھي كہہ ديا ہے كہ اس نسل كو يعني ہم لوگوں كو اپني زندگي ميں كوئي آرام نہيں مل سكتا۔

ميں نے ساوتري كو اپنے وزيراعظم كي تقرير جو اخبار ميں پڑھي تھي، سنائي تو وہ اسے سن كر آگ بگولہ ہوگئي اور اس نے غصے ميں آكر چولے كے قريب پڑا ہوا چمٹا ميرے سر پر دے مارا، يہ زخم كا نشان جو آپ ميرے ماتھے پر ديكھ سكتے ہيں اسي كا نشان ہے، مگر آپ انہيں نہيں ديكھ سكتے۔
ميں ديكھ سكتا ہوں، ان ميں سے ايک فشان تو اس مونگيار رنگ كي جارجٹ كي ساڑھي كا ہے جو اس نے اپنے اوپيرا ہائوس كے نزديک بھنجي مل بھندو رام پارچہ فروش كي دكان پر ديكھي تھي، ايک نشان اس كھلونے كا ہے جو پچيس روپے كا تھا اور جسے ديكھ كر ميرا پہلا بچہ خوش سے كلكاريان مانے لگا تھا، ليكن جسے ہم خريد نہ سكے، اور جسے پاكر ميرا بچہ دن بھر روتا رہا ايک نشان اس تار كا ہے جو ايک دن جبل پور سے آيا تھا، جس ميں ساوتري كي ماں كي شديد علالت كي خبر تھي، ساوتري جبل پور جانا چاہتي تھي، ليكن ہزار كوشش كي بعد بھي كسي سي روپے ادھا نہ مل سكے اور ساوتري جبل پور نہ جا سكي۔
ايک نشان اس تار كے ہے جس ميں اس كي ماں كي موت كا ذكر تھا، ايک نشان---- مگر ميں كس كس نشان كا ذكر كروں، اس سے چتلے چتلے گدلے گدلے غليظ داغوں سے ساوتري كي پانچ روپے چار آنے والي ساڑھي ميں منتقل ہوتے جائيں گے۔
چوتھي ساڑھي قرمزي رنگ كي ہے اور قرمزي رنگ ميں بھورا رنگ بھي جھلک رہا ہے، يوں تو يہ سب مختلف رنگوں كي ساڑھياں ہيں ليكن بھورا رنگ ان سب ميں جھلكتا ہے، ايسا معلوم ہوتا ہے جسيے ان سب كي زندگي ايک ہے، جيسے ان سب كي قيمت ايک ہے، جيسے يہ سب زمين سے كبھي اوپر نہيں اٹھيں گي، جيسے انہوں نے كبھي ہنستي ہوئي دھنک افق پر چمكتي ہوئي شفق، بادلوں ميں لہراتي ہوئي برق نہيں ديكھي ہے، جيسے شانتا بائي كي جواني ہے وہ جيونا كا بڑھاپا ہے، وہ ساوتري كا ادھيڑ پن ہے، جيسے يہ سب ساڑھياں زندگياں، ايک رنگ ايک سطح، ايک تواتر ايک مسلس يكسانيت لئے ہوئے ہوا ميں جھولتي ہے۔

يہ قرمزي بھورے رنگ كي ساڑھي جھبو بھئيے كي عورت كي ہے، اس عورت سے ميري بيوي كبھي بات نہيں كرتي، كيونكہ كہ ايک تو اس كے پاس كوئي بچہ وچہ نہيں ہے،اور ايسي عورت جس كے ہاں كوئي بچہ نہ ہو بڑي نحس ہوتي ہے، وہ جادو ٹونے كركے دوسرے كے بچوں كو مار ڈالتي ہے، اور بد روحوں كو بلا كر اپنے گھر ميں بسا ليتي ہے، ميري بيوي اسے كبھي منہ نہيں لگاتي ہے، يہ عورت جبھو بھيا نے خريد كر حاصل كي تھي۔
جھبو بھيا مراد آباد كا رہنے والا ہے، ليكن بچپن ہي سے اپنا ديس چھوڑ كر ادھر

چلا آیا، وہ مراٹھي اور گجراتي زبان میں بڑے مزے سے گفتگو کرسکتا تھا، اسي وجہ سے اسے بہت جلد پورا وائل کے گني کھاتے میں جگہ مل گئي، جھبو بھیا کو شروع ہي سے بیاہ کا بہت شوق تھا، اسے بیڑي کا تاڑي کا کسي چیز کا شوق نہیں تھا، شوق تھا تو صرف اس بات کا کہ اسکي شادي جلد سے جلد ہو جائے، جب اس کے پاس ستراسي روپے اکھٹا ہوگئے تو اس نے اپنے دیس جانے کي ٹھاني، تاکہ وہاں سے اپني برادري میں سے کسي کو بیاہ لے، مگر پھر اس نے سوچا ان ستراسي روپے میں کیا ہوگا، آنے جانے کا کرایہ بھي بڑي مشکل سے پورا ہوگا۔
چار سال کي محنت کے بعد اس نے یہ رقم جوڑي تھي، لیکن اس رقم سے وہ مراد آباد جاسکتا تھا، جاکے شادي نہیں کرسکتا تھا، اس لئے جبھو بھیا نے یہیں ایک بد معاش سے بات چیت کرکے اس عورت کو سو روپے میں خرید لیا، اسي روپے اس نے نقد دئیے، بیس روپے ادھار میں رہے جو اس نے ایک سال کے عرصے میں ادا کئے، بعد میں جبھو کو معلوم ہو کہ یہ عورت بھي مرادآباد کي رہنے والي تھي، اور اسکي برادري کي تھي، جبھو برا خوش ہوا، چلو یہیں بیٹھے بیٹھے سب کام ہوگیا، اپني ذات برادري کي اپنے ضلع کي اپنے دھرم کي عورت یہیں بیٹھے بیٹھے سو روپے میں مل گئي۔

اس نے بڑے چل چلائو سے اسے اپنا بیاہ رچایا، اور پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کي بیوي لڑیا بہت اچھي گاتي ہے، وہ خود بھي اپني پاٹ دار آواز میں زور سے گانے بلکہ گانے سے زیادہ چلانے کا شوقین تھا، اب تو کھولي میں دن رات گویا کسي نے ریڈیوں کھول دیا ہو، دن میں کھولي میں لڑیا کا کام کرتے ہوئے گاتي تھي، رات کو جبھو اور لڑیا دونوں گاتے تھے۔
ان کے ہاں کوئي بچہ نہ تھا، اسلئے انہوں نے ایک توتا پال رکھا تھا، لڑیا میں ایک اور بات بھي تھي، جبھو بیڑي پیے سگریٹ پئیے نے تاڑي لڑیا بڑي سگریٹ سبھي کچھ پیتي تھي، کہتي تھي پہلے وہ سب نہیں جانتي تھي، مگر جب سے بد معاش کے پلے پڑي اسے یہ سب باتیں سیکھنا پڑیں، اور اب وھ اور سب باتیں تو چھوڑ سکتي ہے مگربیڑي اور تاڑي نہیں چھوڑ سکتي، کئي بار تاڑي پي کر لڑیا نے جبھو پر حملہ کیا، اور جبھو نے اسے روئي کي طرح دھنک کر رکھ دیا، اس موقع پر توتا بہت شور مچاتا تھا اور رات کو دونوں کو گالیاں بکتے دیکھ کر خود بھي پنجرے میں ٹنگا ہوا زور زور سے چلا کر وہ ہي گالیاں بکتا جو وہ دونوں بکتے تھے۔
ایک بار تو اس کي گالي سن کر جبھو غصہ میں آکر طوطے کو پنجرے سمیت بدرو میں پھینکنے لگا تھا، مگر جیونا نے بیچ میں پڑ کر توتے کو بچا لیا، توتے کو مارنا بڑا پاپ ہے ، مگر جیونا نے کہا برہمنوں کو بلا کے پراکشجت کرنا پڑے گا، اور تمھیں پندرہ بیس روپے کھل جائیں گے، یہ سوچ کر جبھو نےتوتے کو بدرو میں غرق کرنے کا خیال ترک کر دیا۔
شروع شروع میں تو جبھو کو ایسي شادي -----پر چاروں طرف سے گالیاں پڑیں،

وہ خود بھي لڑيا کو بڑے شہہ کي نظروں سے ديکھتا رہا، اور کئي بار اسے بلاوجہ پيٹا، اور خود بھي مل سے غير حاضر رہ کراسکي نگراني کرتا رہا، مگر آھستہ آھستہ لڑي انے اپنا اعتابر ساري چال ميں قائم کرليا، لڑيا کہتي ہے کہ عورت سچے دل سے بدمعاشوں کے پلے پڑنا پسند نہيں کتي، وہ تو ايک گھر چاھتي ہے چاہے وہ چھوٹا ہي سا گھر ہو۔

وہ ايک خاوند چاہتي تھي جو اس کا اپنا ہو چاہے وہ جبھو بھيا ايسا شور مچانے والا زبان دراز، شيخي خوار ہي کيوں نہ ہو، وہ ايک ننھا بچہ چاہتي ہے چاہے وہ کتنا ہي بدصورت کيوں نہ ہو، اور اب لڑيا کے پاس گھر بھي تھا اور جبھو بھي تھا اور اگر بچہ نہيں تھا تو کيا ہو جائے گا، اور اگر نہيں ہوتا تو بگھوان ان کي مرضي يہ ميان مٹھو ہي اس کا بيٹا بنے گا۔
ايک روز لڑيا اپنے ميان مٹھو کا پنجرہ جھلا رہي تھي اور اسے چوري کھلارھي تھي، اور اپنے دن سپنوں ميں اس ننھے سے بالک کو ديکہ رہي تھي، جو فضا ميں ہمکتا ہمکتا اس کي آغوش کي طرف بڑہتا چلا آرہا تھا کہ چال ميں شور سا بڑھنے لگا، اور اس نے دروازے سے جھانک کر ديکھا کہ چند مزدور جبھو کو اٹھائے چلے آرہے ہيں، اور ان کے کپڑے خون سے رنگے ہوئے ہيں۔ لڑيا کا دل دھک سے رہ گيا، وھ بھاگتي ہوئي نيچے گئي، اس نے بڑي درشتي سے اپنے خاود کر مزدوروں سےچھين کر پانے کندھے پر اٹھاليا، اور اپني کھولي ميں لے آئي، پوچھنے پر پتہ چلا کہ جبھو سے گني کھاتے کے مينيجر نے کچہ ڈانٹ ڈپٹ کي، اس پر جبھو نے بھي اسے دو ہاتہ جڑ دئيے، اس پر بہت واويلا مچا، زور مينجر نے اپنے بدمعاشوں کو بلا کر جبھو کي خوب ٹھکائي کي اور اسے مل سے باہر نکال ديا، خيريت ہوئي کہ جبھو بچ گيا، ورنہ اس کي مرنے کي کوئي کسر نہيں تھي۔
لڑيا نے بڑي ہمت سےکام ليا، اس نے اسي روز سے اپنےسر پر ٹوکري اٹھالي اور گلي گلي ترکاري بھاجي بيچنے لگي، جيسے وہ زندگي ميں يہي دھندا کرتي آئي ہو، اس نے اسي طرح محنت مزدوري کرکے اس نے اپنے جبھو کو اچھا کر ليا، جبھو اب بھلا چنگا ہے مگر اب اسے کسي مل ميں کام نہيں ملتا، وہ دن بھر اپني کھولي ميں کھڑا مہا لکشمي کے اسٹيشن کے چاروں طرف بلند و بالا کارخانوں کي چمنيوں کو تکتا رہتا ہے، سيون مل، نيو مل، اولڈ مل، پورا مل، معراج مل، ليکن اس کيلئے کسي مل کي جگہ نہيں ہے۔

کيونکہ مزدور کو گالي کھانے کا حق ہے گالي دينےکا حق نہيں ہے، آج کال لڑيا بازاروں اور گليوں ميں آوازيں دے کر بھاجي ترکاري فروخت کرتي ہے اور گھر کا سارا کام کاج کرتي ہے، اس نے بيٹري تاڑي سب چھوڑ دي ہے ہاں اس کي ساڑھي قرمزي بھورے رنگ کي ساڑھي جگہ جگہ سے پھٹي جارہي ہے، تھوڑے دنوں تک اور اگر جبھو کو کام نہ ملا تو لڑيا کو اپني ساڑھي ميں پراني ساڑھي کے ٹکڑے جوڑنا پڑيں گے، اور اپنے ميان مٹھو کو چوري کھلا بند کرنا پڑے گا۔

پانچویں ساڑھي کا کنارہ گہرا نیلا ہے، ساڑھي کا رنگ گدلا سرخ ہے، لیکن کنارا گہرا نیلا ہے، اور اس نیلے میں اب بھي کہیں کہیں چمک باقي ہے، یہ ساڑھي دوسري ساڑھیوں سے بڑھیا ہے، کیونکہ یہ ساڑھي پانچ روپے چار آنے کي نہیں ہے، اس کا کپڑا، اس کي چمک، دمک کہے دیتي ہے، کہ یہ ان سے ذرا مختلف ہے، آپ کو دور سے یہ مختلف معلوم نہیں ہوگي، مگر میں یہ جانتا ہوں کہ یہ ان سے ذرا مختلف ہے اس کا کپڑا بہتر ہے، اسکا کنار چمک دار ہے، اس کي قمیت پونے نو روپے ہے، یہ ساڑھي منجولا کي ہے، یہ ساڑھي منجول کے بیاہ کے ہے، منجولا کئے کے بیاہ کو ابھي چھ ماہ ہوئے تھے۔
اس کا خاوند گذشتہ ماہ خرچي کے گھومتے ہوئےہتے کي لپیٹ میں آکر مارا گیا، اور اب سولہ برس کي خوبصورت منجولا بیوہ ہے، اس کا دل جوان ہے، اس کا جسم جوان ہے، اس کي مانگین جوان ہیں لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتي ہے کیوں کہ اس کا خاوند مل کے ایک حادثے میں مر گیا ہے وھ پٹہ بڑا ڈھیلا تھا اور گھومتے ہوئےبار بار پھٹپھٹاتا تھا اور کام کرنے والوں کے احتجاج کے باجود اسے مل مالکوں نے نہیں بدلا تھا، کیوں کہ کام چل رہا تھا اور دوسري صورت میں تھوڑي دیر کیلئے کام بند کرنا پڑتا، پتہ کو تبدیل کرنے کیلئے روپئہ بھي خرچ ہوتا، مزدور تو کسي وقت بھي تبدل کیا جاسکتا ہے، اس کیلئے روپیہ تھوڑي خرچ ہوتا ہے لیکن پٹہ تو بڑي قیمتي چیز ہے

جب منجولا کا خاوند مارا گیا تو منجولا نے ہرجانے کي درخواست دي جو نامنظور ہوئي کیونکہ منجولا کا خاوند اپني غفلت کي وجہ سے مرا تھا، اس وجہ سے منجولا کو کوئي ہرجانہ نہ ملا، اور وہ اپني وہي نئي دلہن کي ساڑي پہنے رہي جو اس کے خاوند نے پونے نو روپے میں اس کیلئے خریدي تھي۔
کیوں کہ اس کے پاس کوئي دوسري ساڑھي نہیں تھي، جو وہ اپنے خاوند کي موت کے سوگ میں پہنس سکتي، وہ اپنے خاوند کے مرجانے کے بعد بھي دلہن کا لباس پہننے پر مجبور تھي، کیونکہ اس کے پاس کوئي دوسري ساڑھي نہ تھي، اور جوساڑھي تھي وہ یہ ہي گدلے سرخ رنگ کي پونے نو روپے کي ساڑھي جس کا رنگ گہرا نیلا تھا۔
شاید اب منجولا بھي پانچ روپے چار آنے کي ساڑھي پہنے گي، اس کا خاوند زندہ رہتا جب بھي وھ دوسري ساڑھي پانچ روپے چار آنے میں لاتي، اس لحاظ سے اس کي زندگي میں کوئي خاص فرق نہیں آیا تھا، مگر فرق انتا ضرر ہوا ہے کہ وہ یہ ساڑھي آج پہننا چاہتي ہے، ایک سفید ساڑھي اسے دن رات کاٹ کھانے کو دوڑتي ہے اس ساڑھي سے جیسے اسکے مرحوم خاوند کي مظبوط باہیں لپٹي ہیں، جیسے اس کے ہر تار پر اس کے شفاف بو سے مرتسم ہیں۔
جیسے اس کے تانے بانے میں اس کے خاوند کي گرم گر سانسوں کي حدت آمیز غنونگي ہے، اس کے سیاہ بالوں والي چھاتي کا سارا پیار دفن ہے، جیسے یہ ساڑھي نہیں ہے، ایک گہري قبر ہے، جس کي ہولناک پہنائیوں کو ہر وقت اپنے جسم کے گرد لپیٹ لینے پر مجبور ہے، منجولا زندہ قبر میں گاڑي جارھي ہے۔

چھٹي ساڑھي کا رنگ لال ہے، لیکن اسے یہاں نہیں ہونا چاھئیے کیوں کہ اسے پہننے والي مر چکي ہے، پھر بھییہ ساڑھي یہاں جنگلے پر بدستور موجود ہے، روز کي طرح دھل دھلي ھوا میں جھول رہي ہے، یہ مائي کي ساڑھي ہے جو ہماري چال کے دروازے کے قریئب اندر کھلے آنگن میں رہا کرتي تھي، مائي کا ایک بیٹا تھا۔
سیتو، وھ اب جیل میں ہے، سیتو کي بیوي اور اس کا لڑکا یہیں نیچے آنگن میں دروازے کے قریب دیوار کے نیچے پڑے رہتے ہیں، سیتو اور سیتو کي بیوي اور اسکي لڑکي اور بڑھیا مائي یہ سب لوگ ہماري چال کے بھنگي ہیں، ان کیلئے کھولي بھي نہیں ہے، اور ان کے کیلئے اتنا کھانا کپڑا بھي نہیں ملتا جتنا ہم لوگوں کو ملتا ہے اس لئے یہ لوگ آنگن میں رہتے ہیں وہیں کھانا پکاتے ہیں، وہیں پڑ کے سوتے ہیں، یہیں یہ بڑھیا مار دي گئي تھي۔
وہ بڑا سوراخ تھا، آپ اس ساڑھي میں دیکھ سکتے ہیں، پلو کے قریب یہ گولي لگي تھي، نہیں وہ اس ہڑتال میں حصہ نہیں لے رھي تھي، وہ بے چاري تو بہت بوڑھي تھي، چل پھر نہ سکتي تھي، اس ہڑتال میں تو اس کا بیٹا سیتو اور دوسرے بھنگي شامل تھے، یہ لونگ مہنگائي مانگتے تھے، اور کھولي کا کرایہ مانگتے تھے، اسلئے ان لوگوں نے ہڑتال کي تھي اور جب ہڑتال خلاف قانون قرار دے دي گئي، توان لوگوں نے جلوس نکالا اور اس جلوس میں مائي کا بیٹا سیتو آگے آگے تھا اور خوب زور شور سے نعرے لگاتا تھا۔
اور پھر جب جلوس بھي خلاف قانون قرار دے دیا گیا تو گولي چلي اور ہماري چال کے سامنے چلي ہم لوگوں نے تو اپنے دروازے بند کر لئے لیکن گھبراہٹ میں چال کا دروازہ بند کرنا کسي کو یاد نہ رہا، اور پھر ہم کو اپنے بندکمروں میں ایسا معلوم ہوا گویا گولي ادھر سے ادھر سے چاروں طرف سے چل رھي تھي، تھوڑي دیر بعد بالکل سناٹا ہو گیا اور جب ہم لوگوں نے ڈرتے ڈرتے دروزہ کھولا اور باہر جھانکا تو جلوس تتر بتر ہوگیا تھا اور ہماري چال کے دروازے کے قریب بڑھیا پڑي تھي۔

یہ اسي بڑھیا کي لال ساڑھي ہے جس کا بیٹا سیتو اب جیل میں ہے، اس لال ساڑھي کو اب بڑھیا کي بہو پہنتي ہے، اس ساڑھي کو بڑھیا کے ساتھ جلادیانا چائیے تھا مگر کیا کیا جائے تن ڈھکنا ضروري ہے، مردوں کي عزت اور احترام سےبھي کہیں زیادہ ضروري ہے کہ زندوں کا تن ڈھکا جائے۔
یہ ساڑھي جلنے جلانے کیلئےنہیں ہے تن ڈھکنے کیلئے ہے، ہاں کبھي کبھي سیتو کي بیوي اسکے پلو سے اپنے آنسو پونچھ لیتي ہے، کیوں کہ اس میں پچھلے اسي برسوں کے سارے آنسو اور ساري امنیگیں اور ساري فتحیں اور شکستیں جذب ہیں آنسو پونچھ کر سیتو کي بیوي پھر اسي ہمت سے کام کرنے لگتي ہے، جیسے کچھ ھوا ہي نہیں، گولي چلي ہي نہیں، کوئي جیل نہیں گیا، بھنگن کي جھاڑو اسي طرح چلنےلگي۔
اے لو باتوں باتوں میں وزیر اعظم صاحب کي گاڑي نکل گئي، وہ یہاں نہیں

ٹہري ميں سمجھا تھا، وہ يہاں ضرور ٹہرے گي، وزير اعظم صاحب درشن دينے کيلئے گاڑي سے نکل کر تھوڑي دير کيلئے پيلٹ فارم پر ٹہليں گے، اور شايد ہوا ميں جھولتي ہوئي ان ساڑھياں جو بہت ہي معمولي عورتوں کي ساڑھياں ہيں، اسيس معوملي عورتيں جو ہمارے ديس کے چھوٹے چھوٹے گر بنتے ہيں جہاں ايک کونے ميں چولھا سلگتا ہے۔
ايک کونے ميں پاني کا گھڑا رکھا ہے اور ہر طانچے ميں شيشہ ہے کھنگھي ہے اور سيندورکي ڈبيہ ہے کھاٹ پر ننھا بچہ سو رہا ہے، الگني پر کپڑے سوکہ رہے ہيں، ان چھوتے چھوٹے لاکھوں کڑوڑوں گھروں کو بانٹنے والي عوتوں کي ساڑھياں جنہيں ہم ہندوستاني کہتے ہيں يہ عورتيں جو ہمارے پيارے پيارے بچوں کي مائيں ہيں، ہمارے بھولے بھائيوں کي عزيز بہنيں ہيں، ہماري معصوم محبتوں کا گيت ہيں، ہماري پانچ ہزار سالہ تہذيب کا سب سےاونچا نشان ہيں، وزير اعظم صاحب يہ ہوا ميں جھولتي ہوئي ساڑھياں تم سے کچہ کہنا چاہتي ہيں، تم سے کچہ مانگتي ہيں، يہ کوئي بہت بڑي قيمتي چيز نہيں تم سے نہيں مانگتي ہيں۔

يہ کوئي برا عہدہ،کوئي بڑي موٹر کار، کوئي پرمٹ کوئي ٹھيکا کوئي پراپرٹي،يہ ايسي کسي چيز کي تم سے طالب نہيں ہيں، يہ تو زندگي کي بہت ہي چھوٹي چھوٹي چيزيں مانگتي ہيں، ديکھئيے يہ شانتا بائي کي ساڑھي ہےجو اپنےبچپن کي کھوئي ہوئي دھنک تم سے مانگتي ہے، يہ جيونا بائي کي ساڑھي ہے جو اپني آنکہ کي روشني اور اپني بيٹي کي عزت مانگتي ہے۔
يہ ساوتري کي ساڑھي ہے جس کے گيت مر چکے ہيں اور جس کے پاس اپنے بچوں کے اسکول کيلئے فيس نہيں ہے، يہ لڑيا ہے جس کا خاوند بے کار ہے اور جس کے کمرے ميں ايک توتا ہے جو دو دن سے بھوکا ہے، يہ نئي دلہن کي ساڑھي ہے جس کے خاوند کي زندگي چمڑے کے پٹے کي قيمت سے بھي کم ہے، يہ بڑي بھنگن کي لال ساڑي ہے، جو بندوق کي گولي کو ہل کي پھال ميں تبديل کرنا چاہتي ہے تاکہ دھرتي سے انسان کا لہو پھول بن کر کھل اٹھے اور گندم کے سنہرے خوشے ہنس کر لہرانے لگيں۔
ليکن وزيراعظم صاحب کي گاڑي نہيں رکي اور وہ ان چہ ساڑيوں کو نہيں ديکہ سکے اور تقرير کرنے کيلئے، چوپاٹي چلاے گئے، اسلئے اب ميں آپ سے کہتا ہو کہ اگر کبھي آپ کي گاڑي ادھر سے گزرے تو آپ ان چہ ساڑھيوں کو ضرور ديکھئے جو مہا لکشمي کے پل کے بائيں جانب لٹک رھي ہيں، اور پھر آپ ان رنگا رنگ ريشميں ساڑھيوں کو بھي ديکھيں جنھيں دھوبيوں نے اسي پل کے دائيں طرف سوکھنے کيلئے لٹکايا ہے۔
اور جو ان گھروں سے آئي ہيں جہاں اونچي اونچي کمپنيوں والے يا کارخانے والے يا اونچي اونچي تنخواہ پانے والے رہتے ہيں، آپ اس پل کے دائيں بائيں دونوں طرف ديکھيں اور پھر اپنے آپ سے پوچھئيے کہ آپ کس کي طرف جانا چاہتے ہيں، ديکھئيے ميں آپ سے اشترا کي بننے کيلئے نہيں کہہ رہا ہوں، ميں

آپ کو جماعتي جنگ کي تلقين کر رہا ہوں، ميں صرف يہ جانتا ہوں، کہ آپ مہا لکشمي کے پل کے دائيں طرف ہيں يا بائيں طرف.....

پياسا

نواب بڑا تريلا اور زنخا سا لونڈا تھا۔ زرينہ کو اس لئے پسند تھا کہ وہ زرينہ کے ہاتھوں سے پٹ کر رو دھو کر صبر کرليتا تھا۔وہ دوسرے لوگوں کي طرح بوريا بستر باندھ کر رخصت نہيں ہو جاتا تھا۔
اس کے گندمي چہرے پر چيچک کے داغ تھے۔ اور وہ بہت دبلا تھا اور بہت کھاتا تھا۔ اور سمجھ ميں نہ آتا تھا جو تھا وہ کھاتا تھا کہاں جاتا ہے اس کي آواز ميں ہلکي سے تتلاہٹ تھي۔ جب وہ کھڑا ہوتا تھا تو کبھي سيدھا کھڑا نہيں ہوسکتا تھا۔ کسي ديوار يا کسي دروازے سي لگ کر نيم دراز حالت ميں يوں کھڑا ہوتا تھا کہ پاؤں فرش پر گھسيٹ رہے ہيں سر بائيں طرف لٹکا ہوا ہے تو کولھا دائيں نکلا ہوا ہے۔ايک ہاتھ ماتھے پر ہے تو دوسرے سے پيٹھ کھجا رہا ہے۔نواب کي عورتوں کي طرح ہاتھ ہلا ہلا کر بات چيت کرنے کا شوق تھا۔انہي کي طرح وہ فقرے چبا کے چٹا کرکے يا ربڑ کي طرح کھينچ کے بولتا تھا۔ مگر باہر کے کام ميں بہت ہو شيار تھا۔ اس لئے اپني تمام مضحکہ خيز اداؤں اور غمزدوں کے باوجود قابل برداشت تھا۔ گھر کا باورچي تين دن سے غائب تھا اور نواب کو کچن ميں کام کرنا پڑ رہا تھا حالانکہ اس صرف اوپر کے کام کيلئے رکھا گيا تھا۔زرينہ لڑکيوں کے کالج ميں پڑھانے جاتي تھي، ميں اپنے دفتر جاتا تھا۔ اس لئے اگر نواب کھانا نہ پکائے تو کون پکائے اور اس سے مشکل مسئلہ يہ تھا۔ باورچي کون ڈھونڈے اور کب؟ يہاں کسي کو فرصت ہي ميسر نہ تھي۔
نواب کو جب تين دن اور کچن ميں بينگن بگھارنا پڑے اور لہسن کي چٹني پيس کر کھڑے مسالے کا قورمہ تيار کرنا پڑا تو اس کي ساري تتلاہٹ اور نسائينت ختم ہوگئي۔ مردوں کو طرح بڑے کرخت اور جھجلائے ہوئے لہجے ميں بول پڑا صاحب ہم سے نہيں ہوتا۔ ہم کو ايک دن کي چھٹي دو۔ ہم آپ کے لئے ايک باورچي ڈھونڈ کے لائے گا۔
کوئي باورچي ہے تمہاري نظر ميں، زرينہ نے اس کي جھجھلاہٹ پر مسکرا کر پوچھا۔
کچن سے باہر آکر نواب کو جو ٹھنڈي ٹھنڈي ہوا کے جھونکے لگے تو اس کے مزاج کي نسائيت پھر ابھرنے لگي اس پر اسے گھر کي مالکن کي مسکراہٹ جو ملي اور بھي پھيل گئے۔آپ نے ايک کندھا اوپر اچکايا اور دوسرا نيچے کيا بايں کولہا اندر کي طرف جھکايا، دايں کولہا ذرا سا باہر نکالا اور اپنے دونوں ہاتھ ادا سے ملتے ہوئے بولے اب لائيں گے، کہيں نہ کہيں سے آپ کے لئے

باورچي۔
نواب نے اپنے دیدے گھماتے ہوئے باورچي کا مسئلہ ایک پراسرار سیاسي راز کي طرح ھمارے سامنے کچہ اس طرح پیش کیا کہ جي جل کے کباب ہوگیا۔ جي چاہا سالے کو کو دوں جھانپڑاور اس کي ساري اتراہٹ نکال دوں مگر ضرورت باورچي کي تھي۔ اور باورچي ڈھونڈنے کي فرصت مجھے نہ تھي۔ نہ زرینہ کو اس لئے نواب کو ایک دن کي چھٹی دیني پڑي۔
ایک دن کے بعد اتوار تھا۔میں اپنے کمرے میں بیزار بیٹھا ہوا تھا ملجگي صبح کي نیلي نیلي روشني میں اپنا سر خود ہي ہولے ہولے دبا رہا تھا۔کبھي کبھي مجھے اپنا سر ٹوتہ پیسٹ کے ٹیوب کي طرح معلوم ہوتا تھا۔ جب تک دباؤ نہیں کچہ نلکتا نہیں اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ نواب دونوں ہاتھوں سے دروازے کي پٹی تھامے گردن ایک طرف لٹکائے نیم باز آنکھوں سے مجھے دیکہ رہے ہیں۔میں۔میں----وہ ہنس پڑے---ہم باورچي لے آئے
کدھر ہے۔میں نے ڈپٹ کر پوچھا۔
نواب خائف ہو کر زرا سے سیدھے ہوئے اپنے دونوں بازوں دروازے کي پٹی اتار کر اپني کم رپر رکہ لئے۔ پھر ذرا پیچھے ہٹ کر کسي اور کو راستہ دے کر بولے، اندر چلے آؤ۔
کالا دبلا پتلا کرنجي آنکھوں والا آدمي اندر آیا، عمر کوئي پینتیس برس کي ہوگي۔ چھوٹے چھوٹے کالے ہونٹ چھوٹی چھوٹي چھوٹي کرنجي آنکھیں تنگ ماتھا، بال لجھے ہوئے گال اندر دھنسے ہوئے، دانتوں کي ریخوں میں پان کا بھورا میل نمایاں شیو کے باوجود ٹھوڑی پر کہیں بال رہ گئے تھے، عجب کراہت سي محسوس ہوئي۔
تم باورچي ہو میں نے اس سے پوچھا۔
جي۔
کیا نام ہے تمہارا؟
اوم پر کاش۔
میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر نواب سے کہا۔ اسے بگیم صاحب کے پاس لے جاؤ۔وہ دیکہ لیں اور چاہیں تو رکہ لیں۔
دوپہر کے کھانے میں شاہجہاني قورمہ اور شملہ مرچ میں بھرا قیمہ تھا۔ اور دم کئے ہوئے آلو تھے۔ مٹر پلاؤ اور رائتہ اور دو طرح کا میٹھا شاہي ٹکڑے اور وردھي حلوہ ہر چیز عمدہ اور نفیس تھي۔ صیح ذائقے والي میں نے خوش ہو کر کہا اوپ پر کاش کھانا تم ٹھیک پکالیتے ہو۔
اوپ پرکاش، زرینہ میري طرف حیرت سے دیکہ کر بولي مگر اس کا نام تو اشتیاق ہے؟
میں نے باورچي کي طرف دیکھا ، جو ایک کونے میں دونوں ہاتہ اپني ناف پر رکھے کھڑا تھا اور مجھے دیکھنے کي بجائے زمین کو دیکہ رہا تھا۔
کیوں بے تم نے مجھے اپنا نام غلط کیوں بتایا، میں نے باورچي سے پوچھا۔
بولا۔ صاحب آپ کے کمرے میں آیا اور آپ کو دیکھا تو ایسا لگا کہ شاید آپ ہندو

ہیں تو میں نے آپ کو اپنا نام اوم پرکاش بتایا، پھر میں بیگم صاحب کے کمرے میں گیا تو مجھ کو ایسا لگا جیسے وہ مسلمان ہیں تو میں نے ان کو اپنا نام اشتیاق بتادیا۔
مگر بے وقوف ، تم اک کمرے میں اوم پرکاش اور دوسرے میں اشتیاق کیسے ہو سکتے ہو۔
دلي میں ایسا کرنا پڑتا ہے۔صاحب ایک گھر میں اوم پرکاش تو دوسرے گھر میں اشتیاق بتانا پڑتا ہے۔۔۔۔۔۔پیٹ روٹی مانگتا ہے صاحب، اس نے کسي قدر شکایت لہجے میں کہا، اور اس کے لہجے سے یہ بھي معلوم ہوتا تھا جسیے شکایت اس امر کي نہیں ہے کہ اسے اپنا نام غلط کیوں بتانا پڑا بلکہ اس بات کي ہے کہ پیٹ روٹي کیوں منگتا ہے۔
اگر گرمیوں کے دن تھے دوپہر میں جب حبس بڑھنے لگا، تو میں گھبرا کر دوبارہ نہانے کے لئے باتھ روم میں جا گھسا ٹونٹی گھما کر معلوم کیا کہ شاور خراب ہوچکا ہے نواب کو آواز دي تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے تلوؤں میں تیل چڑھا رہا ہے، اشتیاق بھاگا بھاگ آیا، میں نے اس سے کہا۔چوک میں جاگرا منشي پلمبر کو بلاؤ۔شاور خراب ہے۔
یں ٹھیک کئیے دیتا ہوں۔اشتیاق بولا
تم۔
وہ سر جھکا کر بڑي عاجزي سے بولا، جي میں پلمبنگ کا کام بھي جانتا ہوں۔
پانچ منٹ میں اس نے شاور ٹھیک کردیا۔
شام کو بجلي کا پیڈسٹل پنکھا جو صحن میں خراب ہوگیا۔ زرینہ نے نواب کو آواز دي تو معلوم ہوا کہ وہ ابھي دوپہر کي نیند سے فارخ نہیں ہوا ہے۔ لہذا اشتیاق کو بلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ چوک میں پنکھے والے کے پاس چلا جائے اور اپنے سامنے پنکھا درست کرا کے لائے، بہت گرمي ہے آج تو رات بھر صحن میں پنکھا چلے گا اشتیاق نے گہرے تجسس سے پنکھے کا معائنہ کیا معائنہ کرنے کے بعد اس نے اپنے دونوں بازو اپني ناف پر رکھ لئے۔بولا حضور میں یہ پنکھا ٹھیک کرسکتا ہوں۔
کیا تم پنکھے کا کام بھي جانتے ہو۔میں نے اس سے پوچھا۔
سر جھکا کر بولا جي بجلي کا کام بھي جانتا ہوں، پنکھا فت کرلیتا ہوں، ابھي کرکے دکھاتا ہوں۔

ڈیڑھ گھنٹے میں پیڈ سٹل فین فرفر چلنے لگا میں نے اشتیاق کو نئي نظروں سے۔ وہ کچھ مسکرایا۔آخر میں اکڑ کر کچھ سمیت کر کچھ دبککر کچن میں چلا گیا۔
رات کو کھانے میں رام پوري چکن تھا۔چکن کاٹو تو اندر بریاني ملتي ہے۔ بریاني ہٹاؤ تو اند رچکن چاٹ نظر آتي ہے۔ چکن چاٹ کھا لو تو اندر انڈوں کا خاگینہ ملتا ہے اور بادام اور کشمش کے ساتھ عجیب بھول بھلیاں قسم کي ڈش تھا۔ مگر ستھري اور مزےدار میں نے ایک روپیہ انعام دیا تو جھک کر سات بار

کورنش بجالائے بولے آپ نے انعام دیا ہے یہ ہے بندے پر اکرام۔
ارے میرے منہ سے نکلا۔
جي ہاں سر جھکائے کر بولے۔میں شاعر بھي ہوں میرا تخلص تنہائي ہے۔ میري طبعیت شاعروں سے بہت الجھتي ہے سنا ہے ہر وقت پان کھاتے رہتے ہیں اور شعرا اگلتے رہتے ہیں پہلے جي چاہا آج ہي جواب دے دوں۔ پھر اگلے بیس روز میں معلوم ہواکہ حضرت بیس بائیس دوسرے پیشے بھي جانتے ہیں۔ کرسیاں بن لیتے ہیں۔ مونڈھے ٹھیک کر لیتے ہیں۔لکڑي کا ٹوٹا پھوٹا سامان بھي ٹھیک کرلیتے ہیں۔ کیونکہ بڑھئي کا کام بھي سیکھا ہے۔ سینما کے گیٹ کیپر بھي رہ چکے ہیں۔
گنڈ یریاں بیچي ہیں۔پنواڑی کے ہاں بھي کام کیا ہے۔ٹھیلا کھینچا ہے۔ کھلونوں کي فیکڑي میں کام کیا ہے حجام یہ رہ چکے ہیں۔ سائئي سے لے کر دھلائي تک کے سب مراحل یہ پیشہ ور کي حیثیت سے پرکہ چکے ہیں۔ بڑے عمدہ مالشے بھي ہیں، سر کي چمپي کے استاد ہیں۔ کن ملئے بھي ہیں اور چاٹ بنانا بھي جانتے ہیں اور سب سے بڑي یہ بات کہ انتہائي کم خوراک ہیں۔ زرینہ کو ان کي عادت بہت بہاگئي ہے کیونکہ وہ نواب کي اشتہا سے عاجز رہتي ہے اس لئے اس نے دھیرے دھیرے گھر کا سارا کام اشتیاق کو سونپ دیا۔
دو ماہ میں اشتیاق کا سکہ گھر میں جم گیا اس طرح بھاگ بھاگ کے کام کرتا تھا کہ نواب اور بھي کاہل اور ناکارہ ہوتا گیا اور میں نے دیکھا کہ اشتیاق بھي یہي کچہ چاہتا تھا عمر میں نواب اشتیاق سے سترہ اٹھارہ برس چھوٹا ہوگا مگر تھوڑے ہي عرصے میں نواب اشتیاق سي ایسا سلوک کرنے لگا جیسے وہ مالک ہو اور اشتیاق اس کا غلام ہو، پہلے ت ومیں یہ سمجھا کہ یہ سب کچہ جذبہ احسان مندي میں ہو رہا ہے اور بعد میں خیال آیا ممکن ہے اشتیاق نواب پر عاشق ہو گیا ہو حالانکہ نواب پر عاشق ہونا بڑے دل گردے کي بات ہے۔
اس کے لئے ضروري ہے کہ عاشق کي آنکھوں کي بینائي بہت کمزور ہو جس کي سماعت تقریباً نہ ہو اور کوئي لطیف جذبہ دل میں نہ ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ میرا یہ خیال بھي صیح نہ تھا اشتیاق نہ نواب کو اپنا محسن سمجھتا تھا اور نہ اس پر فریفتہ تھا بس اس دوسروں کھلانے کا مرض تھا اور دوسروں کو کھلا پلانے میں اک عجیب سي خوشي محسوس کرتا تھا۔چونکہ وہ خود کم کھلاتا تھا اس لئے وہ اپنے حصے کي خوراک بھي نواب کو منتقل کردیتا، ہمارے بعد اس کے لئے سالن کا بہترین حصہ محصوص کردیتا۔پہلے اسے کھلاتا اور پھر خود کھاتا ہولے ہولے نواب نہ کام میں دلچسپي لینا بالکل ختم کردي کسي بڑي بي کي طرح ایک کھٹیا پر آکر پڑا رہتا اور میں نے دیکھا کہ اشتیاق اس کي فرضي بیماري بڑھا چڑھا کر بیان کرنے میں بڑا مزا لیتا تھا اور اسے کھٹیا پر مستقل آرام کرنے کا مشورہ دیتا اس کے لئے بازار سے دوا لاتا اور پھل سگریٹ اور بیڑي کے پیسے بھي خود دیتا کبھي کبھي ایک آدھ بش شرٹ اور پاجامہ پتلون بھي سلا دیتا۔ہولے ہولے اشتیاق کي تنخواہ کا بیشر حصہ نواب پر خرچ ہونے لگا۔اور نواب اپني تنخواہ کي کل رقم بچا کر ماں کو علي گڑھ بھیجنے لگا۔

زرینہ نے کئي بار اشتیاق کو سمجھایا اسے اپني تنخواہ جمع کرنے کے فائدے سمجھائے مگر اشتیاق پر اس کے سمجھانے بجھانے کا کوئي اثر نہ ہوا مسکرا کر بولا۔ بیگم صاحبہ بچہ ہے۔ کھالیتا ہے تو کیا کرتا ہے۔
ارے تم اپنے لئے بھي کچھ کر لو کم بخت۔ زرینہ چٹ کر اسے کہتي۔ دوسروں کے لئے کیوں مرتا ہے۔
میرا آگے پھیچے کون ہے بیگم صاحب۔ اشتیاق گردن جھکا کر جواب دیتا۔ بھائي نہیں۔بہن نہیں۔ ماں نہیں۔ باپ نہیں۔ سب بھرت پور سے فسادوں میں مادے گئے۔ میرا سینہ ہر وقت خالي خالي سا رہتا ہے۔
کچھ دنوں بعد نواب کي ماں کا خط علي گڑھ سے آیا اس نے نواب کے لئے ایک لڑکي ٹھیک کرلي تھي۔ دو ماہ بعد شادي تھي ماں اسے بلا رہي تھي۔غفور سائیکل والا جس کے ہاں دہلي آنے سے پہلے نواب کے لئے تیار ہوگیا۔ ہم بھي اندر سے بہت خوش تھے کیونکہ اب تو تقریبا مفت کي کھاتا تھا ورنہ سارا کام اشتیاق نے سنبھال لیا تھا۔ زرینہ نے بھي طے کرلیا تھا نواب کے جانے کے بعد دوپہر کے کام کے لئے کسي کو نہ رکھے گي اشتیاق کي موجودگي میں کسي دوسرے نوکر کي ضروت نہیں تھي۔
زرینہ بولي نواب کي شادي ہورہي ہے اب تو بھي شادي کر لے، اشتیاق میں تیري بیوي کو رکھ لوں گي، مجھے ایک ملازمہ کي ضرورت ہے۔
شادي کے نام پر میں نے دیکھا کہ اشتیاق کچھ چڑ سا گیا اس کي بھنویں تن گئیں تنگ ماتھے پر بالوں کي لٹیں ڈولنے لگیں اور اس کے چھوٹے سے ہونٹ پھڑکنے لگے۔مگر وہ کچھ نہ بولا سر جھاکا کر کھانے کہ کمرے میں سے باہر نکل گیا اس کے جانے کے بعد نواب کے چہرے پر ایک عجیب سي مسکراہٹ آئي کھانے کي میز کے قریب آکر بڑي رازداري سے بولا ارے صاحب یہ کیا شادي کرے گا اس کي بیوي تو اسکو شادي کے دوسرے دن ہي چھوڑ کر بھاگ گئي تھي۔
کیوں؟زرینہ نے پوچھا۔
معلوم نہیں بیگم صاحب یہ کچھ بتاتا تو ہے نہیں۔
چند منٹ بعہ ہم لوگ کھانا کھا کر صحن میں ہاتھ دھونے کے لئے آئے تو دیکھا اشتیاق کچن میں میلے برتن اور راکھ کا ڈھیر اپنےسامنے رکھ کر خال میں گھورہا ہے اور اس کي چھوٹی چھوٹی آنکھیں کسي نا معلوم جذبے سے بھیگ کر تار سي چمک رہي تھیں، مجھے اشتیاق میں دلچسپي پیدا ہوئي۔
آٹھ دس روز بعد نواب نے علي گڑھ جانے کا پروگرام بنایا۔ اسکے جانے پر اشتیاق چپکے چپکے بہت رویا، اس کي آنکھیں سرخ تھیں اور ہونٹوں کے کونے بے طرح پھڑکتے تھے۔مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا، اس نے نواب کے لئے سفري ناشتہ تیار کرلیا، حالانکہ صرف ڈھائي گھنٹے کا سفر تھا مگر قیمے کے پراٹھے اور سرخ مرچوں کا اچار اور آلو کا بھرتا اور بیسني روٹي مکھن کي ایک گولي وہ نواب کي بھوک سے واقف تھا خود اپنے خرچ سے اس نے نواب کا ناشتہ تیار کیا تھا۔ اس لئے ہم شکایت بھي کرسکتے تھے۔

وہ خود نواب کے لئے اسکوٹر لے آیا اس کا سامان اسکوٹر پر رکھا اور اسے پراني دلي کے اسٹیشن پرگاڑي میں سوار کراکے واپس آیا۔

دو دن تک اس طرح مضطرب اور بے چین پھرتا رہا، جیسے اس کا گھر لٹ گیا ہو اور وہ کسي اجاڑ ویرانے میں گھوم رہا ہو۔ کھانے کا معیار ایک دم گر گیا تھا، قورمہ اس کے جذبے کي طرح تلخ تھا اور قلیہ اتنا پتلا جیسے کسي نے اس کي ساري امیدوں پر پاني پھیر دیا ہو، چپاتیاں بے ڈول اور بے ہنگي اور ان پر جگہ جگہ مایوسي کي راکھ لگي ہوئي تھي وہ دو دن تک ہم نے کسي نہ کسي طرح صبر کرکے کھانا زہر مار کیا اور یہ سوچ لیا کہ اگر معاملہ یوں ہي چلتا رہا تو اشتیاق کے جواب دینا پڑے گا۔
مگر وہ دو دن بعد اشتیاق سنبھل گیا کہیں سے وہ ایک بلي بچہ اٹھا لایا۔اور اب وہ بلي کا بچہ اشتیاق کي توجہ کا مرکز بن گیا گھر کا کام کرنے کے بعد وہ اپنا سارا وقت جو اس سے پہلے نواب کو دیتا تھا۔اب بلي کے بچے کو دیتا تھا اور اپني تنخواہ کا کافي حصہ بلي کے لئے دودھ اور گوشت پر خرچ کرنے لگا اور یوں دیکھا جائے تو بلي کا بچہ نواب سے کچھ کم نہیں تھا۔اور اس کے عشوے و نخرے بھي نواب سے کم نہ تھے اور وہ اتنا ہي اتریلا تھا اور ویسے ہي ادائیں دکھاتا تھا اور دو دن میں اشتیاق سنبھل گیا اور کھانے کا اور کھانے کا معیار بھي ٹھیک ہوتے ہوتے پھراپني اصل حالت پر آگیا اور ہم لوگوں نے چین کا سانس لیا۔
اشتیاق کسي کام کو ناں نہیں کرتا تھا۔کیونکہ وہ اپني دانست میں سب کچھ جانتا تھا یہ کسي شیخي خورے کي عادت نہ تھي اس قدر احساس کہ مجھے یہ کام بھي کرکے دکھا دینا چاہئیے اسے اپنے ذاتي وقار کے تحفظ کا بہت خیال تھا۔ اور ایک عجیب سي لگن تھي اس کے دل میں جو اسے ہر کام کو پورا کرنے کے لئے اکساتي تھي چاہے وہ اسے جانتا ہو یا نہ جنتا ہو کئي دنوں سے ریڈیو خراب پڑا تھا اور چونکہ میں ریڈیو کا کام اچھي طرح جانتا ہوں اس لئے زرینہ نے مجھے کئي بار ٹھیک کرنے کے لئے کہا مگر دفتر کي طویل جھک جھک کے بعد ذہن اور جسم دونوں اس قدر تھک جاتے ہیں کہ ریڈیو کھولنے اور ٹھیک کرنے کي ہمت کہاں سے لائیں؟ میں یہ کام آج اورکل پر ٹالتا رہا۔
ایک دن دفتر سے جو آیا تو دیکھا ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں پورا ریڈیوکھلا پڑا ہے اور اشتیاق گھبرائي ہوئي حالت میں اس کو ٹھیک کرنے کي کوشش کر رہا ہے اور زرینہ قریب کھڑی ہوئي رونکھي ہو رہي ہے۔ میں نے آنکھوں کے اشارے ہي اشارے میں پوچھا کیا بات ہے؟ زرینہ بولي۔ اشتیاق نے کہا تھا میں یہ ریڈیو ٹھیک کر دوں گا اور تمہیں کئي دن سے فرصت نہیں مل رہي ہے۔ اس لئے میں نے اشتیاق کا کام پر لگا دیا۔ وہ ڈہائي گھنٹے سے یہ کام کر رہا ہے۔ حالانکہ تم نے بتایا تھا کہ معمولي سا نقص ہے۔
میں معاملے کي نزاکت سمجھ گیا۔اشتیاق اپنے چھوٹے سے ماتھے پر بال گرائے مجھ سے آنکھیں چرائے ریڈیو پر کام کر رہا تھے صاف معلوم ہوتا تھا کہ ریڈیو

کھول تو لیا ہے مگر اب جوڑنا نہیں آتا پھر چہرے پر پسینہ پھوٹ پڑا تھا میں نے زرینہ کو باہر بھیج دیا اور خود اشتیاق کے ساتھ کام کرنے میں مصروف ہوگیا، مگر میں نے اشتیاق کو بھي محسوس نہیں ہونے دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ اسے یہ کام نہیں آتا، بلکہ میں نے اس طریقے پر کام آگے بڑھایا جسیے ہر کام اشتیاق کي مرضي ہورہا ہے۔ گھنٹے بھر میں ریڈیو ٹھیک ہوگیا۔زرینہ بہت خوش ہوئي اس نے اشتیاق کو دو روپے انعامدیا مگر چند دنوں بعد پھر اشتیاق کي شامت آئي، زرینہ نے کہیں اس سے پوچھا۔ کیا تم رس گلے بنا سکتے ہو؟۔
جي ہاں۔ اشتیاق فوراً بولے۔
ایک دن بنا کے دکھاؤ؟
آج کي رات ہي کو بناؤں گا۔
رات کے کھانے کے بعد دیر تک اشتیاق کچن میں کچھ کھڑ پڑ کرتا رہا۔ انگھیٹي سے دیر تک دھواں سلگتا رہا، منہ میں بیڑي جلتي رہي، ماتھے کے بال الجھتے رہے اور کچن کي زرد روشني دیر تک صحن میں اپنا سر ٹپکتي رہي۔ کوئي ایک بجے کے قریب کچن کي بتي بجھي اور اشتیاق نے دوسرے دن صبح ناشتے میں برف کے ٹھنڈے رس گلے تازے اور عمدہ گلاب کي خوشبو سے مہکتے ہوئے پیش کئے۔
یہ رس گلے تم نے بنائے ہیں۔زرینہ نے حیرت سے پوچھا۔
جي اسي خاکسار نے۔ اشتیاق دروازے سے لگ کر نظریں جھکا کر پاؤں سے فرش کریدنے کي کوشش کرتے ہوئے بولا۔
بالکل بازار کے سے معلوم ہوتے ہیں۔زرینہ نے تعریف کرتےہوئےکہا۔
یہ ہي تو ان کي خوبي ہے۔ میں نے کہا۔ سیدھي بازار سے لائے گئے ہیں۔
جي نہیں۔اشتیاق نے زور سے احتجاج کیا۔
اس کے احتجاج کي شدت دیکھ کر زرینہ کا شبہ اور بھي بڑھ گیا۔ بولي تو آج رات میرے سامنےرس گلے بناؤ، میں خود دیکھوں گي۔
جي بہت اچھا۔
اشتیاق نے رس گلوں کے سلسلے میں ایک فہرست پیش کي ج منظور کر دي گئي دوپہر میں بہت دیر تک اشتیاق بازار میں رہے۔سر شام زرینہ نے ان کے جھولے کي تلاشي لي کہ کہیں وہ رس گلے بازار سے نہ لے آئے ہوں، رات کو کھانے کے بعد اشتیاق نے بڑے اہتمام سے رس گلے بنانے کا کاروبار کچن میں پھیلا دیا زرینہ نے گھر اندر سے بند کرکے تالا لگادیا اور ہر پندرہ بیس منٹ بعد کچن میں جھانک لیتي تھي۔ کوئي دو بجے کے قریب جب نیند کا غلبہ ہونے لگا تو رس گلے تیار ہوگئے۔ اشتیاق ایک تاب میں رس گلے لے کر آئے تھے۔کھانڈ کے معطر شیرے میں فینائل کو گولیوں سے بھي دو تہائي کم حجم کي سفید سفید گولیاں تیر رہي تھیں۔ زرینہ چیخي ارے یہ رس گلے ہیں بکري کي مینگني کے برابر؟
ابھي چھوٹے ہیں۔دیکھئے سمجھئیے بیگم صاحب اور یہ رس گلے ابھي چھوٹے ہیں مگر رات بھر شیرا پئیں گے، صبح کو پھول کر پورا رس گلا ہوجائیں گے۔

اشتیاق نے سمجھایا۔

زرینہ کو یقین نہ آیا مجھے مگر نیند کا غلبہ شدید تھا اس لئے ہم سو گئے۔ صبح جب ناشتے پر پورے حجم کے بڑي گولائي کے سفید رس گلے کھانے کوملے۔کسي طرح یقین نہ آتا تھا کہ رات کو کونین کي گولیاں کے برابر حجم والے رس گلے پھول کر اس قدر بڑے ہوگئے تھے۔ مگر رات بھر کونے جاگے اور کون چوکیداري کرے؟ اشتیاق ضرور صبح صبح بازار سے رس گلے خرید لائے ہوں گے اور ات کي گولیاں انہوں نے نالي میں بہا دي ہوں گي۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟جو شخص اپنے ذاتي وقار کي خاطر رات بھر جاگ سکتا ہے اور اپني جیب سے پیسے خرچ کرکے دوسروں کو رس گلے کھلا سکتا ہے محض اپني صات کي اہمیت جتانے کے لئے اس سے الجھنا بے کار ہے۔
جوں جوں بلي کا بچہ بڑا ہوتا گیا، اشتیاق کا جذبہ اور بڑھتا گیا، جند ماہ میں ہمارے سامنے ایک خوبصورت بلي صحن میں گھومتي تھي، جس کے بال مکھن کي طرح ملائم تھے جو ایک انتہائي میٹھي سرگرمیوں میں خرخر کرتي تھي، اور جب گردن نیوڑھا کے آنکھیں جھپا کے اشتیاق کي طرف دیکھتي تو وہ بے چارہ دل تھام کے رہ جاتا تھا۔ تھي بھي قیامت کي حرافہ، موٹی گل کو تھلي سي، کبھي دھیرے دھیرے مٹء مٹک کر چلتي، کبھي ایک دم چنچل ہو کر چھلانگ لگاتي اور اشتیاق کے کندھے پر جا کر بیٹھ جاتي اور پیار سے اس کي گردن چاٹنے لگتي۔کبھي اون کا گولہ بني ہوئي پانتي بیٹھ کر دھوپ کا مزا لیتي کبھي اس کي باہوں میں پوري طرح پھیل کر بیٹھ جاتي، عورت کي پوري سپردگي کے ہزار انداز میں کبھي شریر تغافل، ادا سے ایک مست انگڑائي لیتي، اور جب اشتیاق ایک عجیب مسرت اور حسرت سے اس کي طرف دیکھے لگتا۔اشتیاق نے اس کا نام گلشن رکھا تھا، مگر پیار کي اہمیت میں اسے صرف گلو کہہ کر پکارتا تھا۔
ایک دن میري غیر حاضري میں اشتیاق نے رزینہ کے بیڈ روم میں دستک دي سڑیوں کے دن آچکے تھے اس لئے رزینہ صبح ختم ہونے کے باوجود اپنے نائٹ گون میں ملبوس ایک سوئیٹر بن رہي تھي۔کون ہے زرینہ نے پوچھا۔
میں ہوں اشتیاق۔
اندر آجاؤ۔ زرینہ بولي۔
کاغذ پنسل لئے ہوئے اشتیاق جھکتے جھکتے ہوئے انتہائي مودبانہ انداز میں دروازے سے لگ کر کھڑا ہوگیا، پھر اس نے چپکے سے کاغذ اور پسنل آگے بڑھا دیا اور بولا لکھئیے۔
زرینہ بولي۔کیا کل کا حساب ابھي نہیں، بعد میں دیکھوں گي۔
حساب نہیں ہے۔
پھر کیا ہے؟
آپ لکھئیے تو۔اشتیاق بار بار کاغذ پینسل آگے بڑھا رہے تھے۔
آخر ہے کیا؟

ایک غزل کے تین شعر ہوئے ہیں۔
زرینہ چند لمحوں کے لئے بھونچکي رہ گئي، پھر اس کے دل میں ہنسي پھوٹنے لگي اور مسکرا کر بولي۔تم خود نہیں لکھ سکتے؟
جي نہیں میں نہ لکھ سکتا ہوں نہ پڑھ سکتا ہوں۔
مگر شعر کہہ سکتے ہو۔ زرینہ نے فقرہ مکمل کیا۔
جي ، جي بالکل کہہ سکتا ہوں، آپ لکھئیے میں بولتا ہوں۔کہے زرینہ نے زچ ہو کر کہا۔
اشتیاق نے اپني آنکھیں بند کرلیں اور ایک عجیب محویت کے عالم میں بولا۔
تنہائي میرا کام ہے گلشن تیرا نام ہے جو ہو سو ہو ہم مرتي ہیں تہہ پر تو ڈرتي ہے مجھ سے جو ہو سو ہو۔
مگر اس کي بحر کیا ہے؟ زرینہ نے پوچھا۔
بحر؟ اشتیاق نے حیرت سے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ بہر حال غزل تو غزل ہے۔
مگر اس کا وزن۔زرینہ نے پھر توجہ دلائي۔
بڑي وزني غزل ہے بیگم صاحب آپ لکھئیے تو اشتیاق نے کامل دل جمي سے کہا۔
بڑي مشکل سے زرینہ نے اپني ہنسي روکي بولي آگے چلئے۔اشتیاق نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور گہرے مراقبے میں جا کربولے۔
تیري جدائي میں ہوئے ہم مست فگار جو ہو سو ہو۔
کہتا ہے تنہائي اب گلشن میں کون آیا جو ہو سو ہو۔
زرینہ نے پوچھا۔ کہتا ہے تنہائي، مگر تنہائي تو مونث ہے۔
مگر تنہائي تو میرا تخلص ہے اور میں مونث ہوں، اشتیاق نے سمجھایا۔
اس کے چہرے پر کچھ ایسي مسکراہٹ تھي، جیسے وہ کہنا چاہتا ہو۔
اجي بیگم صاحبہ یہ شعر و شاعري ہے آپ کیا جانیں۔
اور یہ مست فگار کہاں کي ترکیب ہے تنہائي صاحب۔زرینہ نے پھر پوچھا۔
ہمارے مراد آباد میں ایسا ہي بولتے ہیں۔ اشتیاق نے جواب دیا۔
زرینہ نے ایک دم کاغذ اور پینسل بیڈ روم کي کھڑکي سے باہر پینک دئیے گرج کو بولي اشتیاق آجکے بعد تو نے مجھے اپنا کوئي شعر سنایا تو کھڑے کھڑے گھر سے باہر نکال دوں گي، اشتیاق کھسیا کر سر کھجانے لگے بے حد محجوب اور شرمندہ سے دکھائي دے رہے تھے۔ زرینہ کو اس پر رحم آگیا جرم لہجے میں مسکراکر کہنے لگي میرے خیال میں اگر آپ شعر و شاعري چھوڑکر ناول نگاري کي طرف توجہ کریں تو بہتر ہوگا۔
کیا نام ہے اس ناول کا؟
لائف اینڈ کک۔۔۔اشتیاق انگریزي میں بولے
اشتیاق کي انگریزي ایسي تھي جیسے پرانے زمانے میں ان باورچیوں کي ہوا کرتي تھي۔جو انگریزوں کے پاس کام کیا کرتے تھے۔یا آج کے ان مزدوروں کي جو ان پڑھ ہونے کے باوجود ٹیکنیکل دھندوں میں پڑ جاتے ہیں یہ انگریزي بڑي مختصر اور جامع ہوتي ہے اور بالعموم مصدر کي محتاج نہیں مگر اپنا

مفہوم ادا کرنے میں اس کي انگریزي سے کہیں بہتر ہوتي ہے جسے آج کے طالب علم میٹرک تک پڑھتے ہیں۔
ایک دن جب اشتیاق میرے سر کي چمپي سے فارغ ہو چکا ت میں نے اس سے کہا تم اتنے سارے دھندے جانتے ہو، اگر تم کوئي ایک دہندا پکڑ کر بیٹھ جاتے تو غالباً بہت ترقي کر جاتے۔

صاحب میرا کسي کام میں زیادہ دیر تک جي نہیں لگتا۔اشتیاق ایک چھوٹے سے تولیا سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا سال چھ ماہ ایک دھندا کیا پھر دوسرے میں چلا گیا، اسي طرح زندگي کے پینتیس چتھیس برس گزر گئے باقي بھي گزر جائیں گے۔
تو تم کسي ایک دھندے میں جي کیوں نہیں لگاتے؟میں نے پوچھا
جي نہیں لگتا۔ اشتیاق سر جھکا کر کسي اقبالي مجرم کي طرح شرمندہ ہو کر بولا۔
میرا سینہ ہر وقت خالي خالي سا رہتا ہے۔
میاؤں۔دروازے پر گلو تشریف لائیں اور وہ منہ اٹھا کر بڑي بڑي آنکھوں سے اشتیاق کي طرف دیکھنے لگي اشتیاق نے اسے گود میں اٹھالیا اور اس کے بالوں پر دھیرے دھیرے پھیرتے ہوئے بولا، گلو بھوکي ہے اس دودھ دے آؤں۔
اشتیاق پر کبھي کبھي ذہني عشق کے لمبے لمبے دورے پڑتے ہیں۔ جبکہ وہ خود گھنٹوں اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا کچن میں غائب بیٹھا رہتا تھا۔ جانے کیا سوچتا ہے، خود ہي مسکراتا ہے خود ہي گھورتا ہے خود ہي سلگنے لگتا ہے، کبھي کبھي منہ میں کیا جانے کیا بڑ بڑا نے لگتا ہے۔ کیا گزرتي ہے اس پر وہ کون سا کرب ہے جو اسے اندر ہي اندر کھائے جاتا ہے کون جانے کچھ بتاتا تو ہے نہیں کبھي کبھي نشہ بھي کرتا ہے قیاس غالب ہے جب دل کي گھٹن اور سینے کا سونا پن حد سے آگے بڑھنے لگتا ہے تو کوئي نشہ ضرور کرسکتا ہے، اور دو دن کے بعد جب وہ ہوش میں آجاتا ہے تو اصرا کرتا ہے کہ ، دن نہ بدلہ نہ تاریخ بدلي ہے نہ اس نے کوئي نشہ کیا ہے۔اور ہم بھي اس لئے چپ رہتے ہیں ، یہ کام بہت اچھا کرتا ہے ماہر ہي نہیں آرٹسٹ بھي ہے۔ اپنے کام کا اور فن کاروں کے دماغ کي ایک چول ڈھیلي ہوتي ہي ہے، یہ سب جانتے ہیں۔
اس لئے کبھي کبھي ایسا ہوتا ہے اس سے کہا حیدر آبادي بینگن بنائے اور وہ لے آئے،کچھ عجیب سي ڈش، جس میں شوربہ پاني کي طرح پتلا تھا اور اس میں بینگن کے کالے کالے ٹکڑے مرے ہوئے چوہوں کي طرح تیر رہے تھے۔
یہ حیدر آبادي بینگن ہیں، زرینہ چیخ کر پوچھتي ہے۔
جي نہیں یہ چائنا ٹاؤن ہے۔اشتیاق کہتا ہے۔ بالکل نئي ڈش ہے کھا کے دیکھئے۔سمجھئیے چکھئیے بالکل نیا مزا ہے۔
اٹھا کر لے جا ابھي ابھي اسے یہاں سے ورنہ سر پر دے ماروں گا۔ میں گرج کر کہتا ہوں، کیونکہ اس کو دیکھ کر ہي جي متلي ہونے لگا تھا۔
اس وقت تو اشتیاق ڈش اٹھا کر لے گیا مگر بعد میں اس نے زرینہ سے

کہا۔صاحب بھي کيسي نہ انصافي کرتے ہيں چکھے بغير ناپاس کرديتے ہيں کھانے کو۔
اشتياق موتي قليہ بہت عمدہ پکاتا ہے، ايک دفعہ گھر پر مخصوص مہمانوں کي دعوت تھي۔اشتياق سے موتي قليہ پکانے کي فرمائش کي گئي جب دستر خوان بچھا تو منجملہ دوسري کي چيزوں کے ايک نہايت بد بودار اور سڑي ہوئي ڈش سامنے آئي۔
يہ موتي قليہ ہے۔ زرينہ نے حيرت سے پوچھا۔
جي نہيں۔اشتياق فورا بولے يہ پيسٹ ہے۔
پيسٹ کيا ۔تمہيں موتي قليہ تيار کرنے کو کہا تھا۔کہا تھا کہ نہيں زرينہ خفا ہو کے بولي۔
جي موتي قليہ بگڑ گيا اس لئے ميں نے نئي ڈش تيار کر دي ہے، اشتياق کي يہ عادت اب ہميں معلوم ہو چکي تھي، کہ جب کوئي سالن بگڑ جاتا ہے تو اسے فوراً نيا نام دے کر دستخوان پر پيش کر ديتے ہيں۔اور ڈشکے بگڑنے کا يوں تزکرہ کرتےہيں، جيسے کسي اعلي خاندان کالڑکا خود بخود بگڑ جائے اور اس کے بگاڑنے ميں ان کا کوئي ہاتہ نہ ہو۔
اب کيا کہيں چند ايسے مہمانوں کي دعوت تھي جب کے سامنے بے تکلف نہ ہوسکتا تھا ورنہ آج ميرا ارادہ اشتياق سے بے تلکف ہونے کا تھا مگر مہمان موجود تھے، اور دوسرا سالن بے حد عمدہ تھے اس لئے خاموش ہونا پڑا۔
دوپہر کے کھانے کے بعد ہم مہمانوں کو لے کر ميٹني شو ديکھنے چلے گئے اور چلتے چلتے زرينہ نے اشتياق کو رات کے کھانے کے متعلق ہدايات دے ديں، ميٹني شو يکھنے کے بعد جن ہم شام کو واپس ہوئے تو ديکھا کہ گھر کے باہر فائر برگيڈ کھڑا ہے، بہت سے لوگ جمع ہيں اور کچن کي چمني اور چھت اور کھڑکيوں دھوئيں کے بادل اٹھ رہے تھے، آگ آگ ميرا گھر بچاؤ، لينڈ لاڈ زور زور سے چلا رہا تھا۔
اشتياق کہاں ہے؟ ميں نے پوچھا
کيا معلوم۔لينڈ لاڈ اپنے سر کے بال نوچتے ہوئے بولا ايک گھنٹے سے چيخ رہا ہوں،اور وہ دروازہ ہي نہيں کھولتا، اور اندر کچن ميں شايد نشہ کرکے بے ہوش پڑا ہے۔
ميں اور زرينہ دونوں نے چلا کر درازہ اشتياق سے کھلوايا۔اشتياق بے حد حيرت زدہ کچن سے نکلے اور دھواں ديکہ کر پلٹے اور کچن کي دونوں انگھيٹيوں پر پاني ڈال کر بھجانے لگے دونوں پتيليوں کے سالن جل چکے تھے مگر خدا جانے ان ميں اس نے کون سا مسالا ڈال تھا کہ دھوئيں کہ گہرے سياہ بادل اب تک ان کي پتيليوں سے اٹھ رہے تھے۔آگ آگ لينڈ لاڈ غصے ميں چلا رہا تھا۔
کدھر ہے آگ؟ اشتياق حيرت سے پوچھنے لگا
زرينہ بولي۔يہ بے چارے ايک گھنٹے سے چيخ رہے ہيں، دورازے پيٹ رہے ہيں اور تمہيں کچھ پتہ ہي نہيں فائر برگيڈ تک آگئي اور کچن کا دروازہ بند کئے غافل بيٹھے ہو۔

اشتیاق سب لوگوں کو متوجہ دیکھ کرچونکہ شرمندہ ہو کر سر کھجانے لگا ایک انگلي اپني کھوپڑي پر رکھ کر بولے۔بحث چل رہي تھي۔
کیسي بحث؟ زرینہ کا پارہ چڑہنے لگا۔تم یہاں اکیلے بیٹھے ہو۔
کورٹ کا مقدمہ تھا۔
کیا مقدمہ؟
آبائي مکان کا مقدمہ تھا میرے اور چچا زاد بھائي لطیف کے درمیان وکیل استغاثہ اور وکیل صفائي کے درمیان بحث ہو رہي تھي۔
کدھر ہے وکیل استغاثہ اور وکیل صفائي۔زرینہ کا غصے سے پارہ چڑھنے لگا۔

میں خود ہي دونوں طرف سے وکیل ہوں۔خود ہي کورٹ ہوں، خود ہي مدعي، خود ہي مدعالیہ، خود ہي بحث کرتا تھا۔ خود ہي جواب دیتا تھا۔ اشتیاق نے بتایا۔
مگر یہاں کہاں بحث چل رہي تھي۔زرینہ نے دانت پیس کر کہا۔
یہاں اشتیاق نے اپني کھوپڑي پر انگلي رکھ کر کہا۔اور سر جھکا لیا۔
زرینہ کا دل اشتیاق سے ہٹنے لگا، میرا بھي۔عمدہ باورچي ہونے کے باوجود اس کي خامیاں اب جان لیوا ثابت ہونے لگے۔ادھر اشتیاق سے زیادہ اس کي بلي گلشن نے مجھے عاجز کردیا۔میں دراصل اشتیاق کي وجہ سے اس سے بے اعتنابي تو نہ برتتا تھا۔ کیونکہ اشتیاق نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اس کے سوا کوئي دوسرا اسکو توجہ دے مگر غالبا گلشن کویہ بات پسند نہ تھي وہ مجھے بھي اپنے مداحوں کي فہرست میں شامل کرنے پر مصر تھي وہ ایک بار وہ ایک کمرے میں اٹھلائي ہوئیں آئیں مگر میں نے شش کرکے بھگا دیا پھر میري غیر حاضري میں ایک بار وہ میرے بستر پر چڑھ کر سو گئیں۔دراصل سوئي نہ تھي سونے کا بہانہ کر رہي تھي وقت بھي گلشن نہ وہ چنا جومیرے دفتر سے آنے کا تھا، مقصد یہ تھا کہ ہم تمہارے بستر پر چڑھ کر کے سوئیں گے اور تم اسے برداشت کر گئےتو دوسري بار تمہارے سینے پر چڑھ کر سوئیں گے یعني جس قدر میں بے اعتنابي دکھا رہاتھا اسي قدر وہ مجھے اپنے قریب لانے پر مصر تھیں۔اس وقت میں نےجو انہیں بستر پر سوئے ہوئے دیکھا تو غصے میں آکر انہیں دم سے پکڑا اور بستر سے نیچے پھینک دیا بے حد خفا ہو کر غرائیں اور جھلا کر کمرے سے باہر چلي گئیں مگر اس کا بدلہ گلشن نے یوں لیا کہ
دوسرے دن دفتر سے جو آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے کمرے میں سمبل کي رشمیں روئي کے دونوں تکئیے ادھیڑ پڑے ہیں اور گلشن انہیں پنجے مار مار کر نوچ رہي ہے اور سمبل ہوا میں اڑ رہي ہے۔
میں خود ہي دونوں طرف سے وکیل ہوں۔خود ہي کورٹ ہوں، خود ہي مدعي، خود ہي مدعالیہ، خود ہي بحث کرتا تھا۔ خود ہي جواب دیتا تھا۔ اشتیاق نے بتایا۔
مگر یہاں کہاں بحث چل رہي تھي۔زرینہ نے دانت پیس کر کہا۔
یہاں اشتیاق نے اپني کھوپڑي پر انگلي رکھ کر کہا۔اور سر جھکا لیا۔
زرینہ کا دل اشتیاق سے ہٹنے لگا، میرا بھي۔عمدہ باورچي ہونے کے باوجود اس کي خامیاں اب جان لیوا ثابت ہونے لگے۔ادھر اشتیاق سے زیادہ اس کي بلي

گلشن نے مجھے عاجز کردیا۔میں دراصل اشتیاق کي وجہ سے اس سے بے اعتنابي تو نہ برتتا تھا۔ کیونکہ اشتیاق نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ اس کے سوا کوئي دوسرا اسکو توجہ دے مگر غالبا گلشن کویہ بات پسند نہ تھي وہ مجھے بھي اپنے مداحوں کي فہرست میں شامل کرنے پر مصر تھي وہ ایک بار وہ ایک کمرے میں اٹھلائي ہوئیں آئیں مگر میں نے شش کرکے بھگا دیا پھر میري غیر حاضري میں ایک بار وہ میرے بستر پر چڑھ کر سو گئیں۔دراصل سوئي نہ تھي سونے کا بہانہ کر رہي تھي وقت بھي گلشن نہ وہ چنا جومیرے دفتر سے آنے کا تھا، مقصد یہ تھا کہ ہم تمہارے بستر پر چڑھ کر کے سوئیں گے اور تم اسے برداشت کر گئےتو دوسري بار تمہارے سینے پر چڑھ کر سوئیں گے یعني جس قدر میں بے اعتنابي دکھا رہاتھا اسي قدر وہ مجھے اپنے قریب لانے پر مصر تھیں۔اس وقت میں نےجو انہیں بستر پر سوئے ہوئے دیکھا تو غصے میں آکر انہیں دم سے پکڑا اور بستر سے نیچے پھینک دیا بے حد خفا ہو کر غرائیں اور جھلا کر کمرے سے باہر چلي گئیں مگر اس کا بدلہ گلشن نے یوں لیا کہ
دوسرے دن دفتر سے جو آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے کمرے میں سمبل کي رشمیں روئي کے دونوں تکئیے ادھیڑ پڑے ہیں اور گلشن انہیں پنجے مار مار کر نوچ رہي ہے اور سمبل ہوا میں اڑ رہي ہے۔
پیچھے آنے لگا۔مگر وہ میرا غصہ دیکھ کرمنہ سے کچھ بول نہیں رہا تھا۔صرف اس کے ہونٹوں کے کونے پھڑکتے رہے۔
بڑي سڑک پر آکر میں ایک کونے میں کھڑا ہوگیا۔اس سڑک پر کئي کھڈے اور گڑھے تھے اور اس پر ان گنت وزني ٹرکوں گھوں گھوں کرتے ہوئے گذرتے تھے، میں نے ایک ٹرک قریب آتي ہوئے دیکھ کر یکایک گلشن کو زور سے سے جھلایا اور نشانہ باندہ کر گزرتے ہوئے ٹرک کے نیچے پھینک دیا، اشتیاق کے گلے سے ایک گھٹي ہوئي چیخ نکلي۔
ٹرک سڑک سے گزر گیا، چند لمحوں تک ایسا محسوس ہوا جیسے گلشن سڑک پر پس کر بھي لیٹي ہوئي پھر یکا یک وہ چونک کر کھڑي ہوگئي اور بجلي کي سرعت سے چھلانگ لگا کر سڑک پار کرتي ہوئي مخالف سمت میں چلي گئي وہ ایک بار اس نے پلٹ کر ہماري طرف دیکھا مگر ہمارےگھر کي طرف آنے کي بجائے، وہ مخالف سمت میں دوڑتي ہوئي چلي گئي اور پھر ہمارے گھر کبھي نہیں آئي۔
تین دن تک اشتیاق نے انتظار کیا مگر گلشن کہیں نظر نہیں آئي چوتھے دن اس نے سامان باندھ لیا۔ اور بولا، صاحب میرا حساب کردیجئے، میں جانا چاھتا ہوں۔
کیوں، تمہیں کیا تکلیف ہے، زرینہ نے پوچھا۔
اشتیاق نے مجہ سے آنکھیں چرا کے زرینہ سے کہا۔ بیگم صاحب جس طرح صاحب نے میري بلي کے ساتھ سلوک کیا وہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔
اور وہ جو تمہاري بلي نے میرے چالیس روپے کے دو قیمتي تکئے پھاڑ ڈالے ہیں اس کا ہرجانہ کون دے گا میں نےغصے میں بلند آواز میں کہا۔
زرینہ نےمعاملہ سلجھانے کے خیال سے بولي ارے ایک بلي کي وجہ سے لگي

لگائي نوکري چھوڑتاہے۔میں تجھے ایسي دس بلیاں لا دوں گي۔
نہیں وہ تو میري گلشن تھي، اشتیاق کي آواز کمزاور ہو کر لزنے لگي جیسے وہ ابھي رو دے گا۔

ارے گلشن تھیکہ زلفن تھي کہ کریمن جو نام چاہے رکھ لینا میں نے اسے ٹھنڈا کرنے کي کوشش کرتے ہوئے کہا کہ سینکڑوں بلیاں گھومتي ہیں اس علاقے میں۔
اشتیاق نے پھر نظریں چرا کے مجھ سے رخ موڑ کر زرینہ کي طرف ہو کر بولا مجھے صاحب سے بڑا ڈر لگتا ہے اب تو۔
کیوں۔ زرینہ نے پوچھا۔
جب صاحب نے گلشن کو اٹھا کر سڑک پر پھینک دیا تو مجھے ان کا چہرہ بالکل اپنے باپ کي طرح نظر آیا۔
اپنے باپ کي طرح؟ کیا بکتےہو؟ زرینہ غصے سے بولي۔
اشتیاق نے ایک دولمحے توقف کیا پھر گھمبیر لہجے میں کہنے لگا اسي طرح میرے باپ نے ایک دن نشےکي حالت میں مجھے کمرے سے اٹھا کر باھر پھینک دیا تھا اس وقت میري عمر چار سال تھي، میں یقینا مرجاتا مگر سڑک پر جہاں میں گرا اس پر ایک بڑا سا گڑھا اور میں اس کے گڑھے میں سے رات بھر باہر نہ آسکا، اور رات کا وقت تھا دو ایک ٹرک پرے پرے گزر گئے پھر شاید میں بے ہوش ہوگیا۔ اور ماں دو ہتڑیاں مار کر چیخنے لگي یکا یک میرے باپ کو تیش آگیا اور وہ بھاگا بھاگا آیا اور سڑک کے گڑھے سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا کر گھ لے گیا اور میرا منہ چومتا رہا اور زور زور سے روتا رہا اور کبھي میري ماں اس سے چھین کے اپنے سینے سے لگا لیتي تھي، اور کبھي میرا باپ مجھے میري ماں سے لے کر چھاتي سے لگا لیتا تھا مگر میں اس کا وہ چہرہ کبھي نہیں بھول سکتا۔ جب اس نےمجھے غصے میں اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر سڑک پر پھینک دیا تھا بالکل ویسا ہي چہرہ تھا اس وقت صاحب ک اس لئے میرا حساب کردو۔میں یہاں ہیں رہوں گا؟
اشتیاق میرے پاؤں کو ہاتھ لگانے لگا جیسے گستاخي کي مجھ سے معافي مانگ رہا ہو۔
زرینہ نے اس کا حساب کردیا۔
تین سال بعد جب ہمارا تبادلہ ممبئي ہوا تو وہ ہمیں بمبئي میں ملا ہمیں ایک گھر کي تلاش تھي اور اشتیاق ایک ہاؤس ایجنٹ تھا اور اس کا نام اب لالو کرماني تھا اور وہ سنگھي تھا اور سندھي زبان بڑے فراٹے سے بولتا تھا وہ کھدر کا پاجامہ اور کھدر کا یاک لمبا کرتا پہنتا تھا، اور پہلي نظر میں کسي محلہ کمیٹی کا کانگریسي بنتا معلوم ہوتا تھا یہ کیا ڈھنگ ہیں تمہارے یہاں؟زرینہ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے پوچھا۔
ادھر۔بلڈنگ کا اکھا دھندا سندھي لوگ کے پاس ہے اس لئے ہم بھي سندھي بن گیا، بیگم صاحب کیا کریں پیٹ روٹي مانگتا ہے۔

کوئي بلي ولي پالي رکھي ادھر بھي۔میں نے اس سے پوچھا۔
وہ شرمندہ سا ہوگیا۔آنکھیں جھپکائے ہوئے بولا۔صاحب ادھر بمبئي میں جندار رہنا بھي مشکل ہے ایک ایراني ہوٹل کے مالک نے ترس کھا کر میرا ٹرنک اور بستر اپنے باورچي خانے میں رکھنے کي اجازت دے دي ہے، رات کو اس کي دکان کے سامنے پڑا رہتا ہوں، صبح گیارہ بجے تک اس کي دکان میں سموسے بناتا ہوں۔پھر رام داس ماکي جاني کے دفتر میں جاتا ہوں۔
یہ ماکي جاني کون ہے؟زرینہ نے پوچھا۔
اصل میں ہاؤس ایجنٹ تو وہ ہي ہے، میں اس کام کا دوسرا اسسٹنٹ ہوں۔
تم کو کیا ملتا ہے؟
کمیشن ملتا ہے؟
کتنا؟
ماکي جاني کو ٹونٹی فائیو پرسنٹ ملتا ہے پہلے اسسٹنٹ کو فائیو پرسنٹ ملتا ہے، اشتیاق انگریزي بگھارنے لگے ہم کو ون پرسنٹ۔
ون پرسنٹ؟زرینہ نے پوچھا ون پرسنٹ آف واٹ؟
اشتیاق بولے۔ون پرسنٹ آف دي فایو پرسنٹ آف دي ٹونٹي فائیو پرسنٹ آف دي ہنڈرڈ پر سنٹ۔
زرینہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئي، اشتیاق خود بھي بے حد محظوظ ہوئے آخر جب زرینہ نے کسي طرح اپني ہنسي پر قابو پالیا تو بولے۔ آپ کو ایک فلیٹ دے سکتا ہوں۔
کیسا ہے وہ فلیٹ۔
اشتیاق انگلي پر کمرے گنواتے ہوئے بولے ون بیڈ روم، ون باتھ روم، ون بیڈ روم، مون ون کچن، ون ہال اینڈ سیپرٹیس۔
یہ اینڈ سپیر ٹیس کیا بلا ہے؟ زرینہ نے پوچھا۔
بس اینڈ سیپر ئٹس۔ اشتیاق نے اس طرح حیرت سے زرینہ کي طرف دیکھا گویا کہ رہا ہو، ایم اے کرنے کے بعد اتني معمولي سي انگریزي نہیں سمجھ سکتیں۔
آپ؟ اینڈ سیپریٹس۔بیگم صاحب اشتیاق نے پھر سمجھایا۔
زرینہ یے یکایک سمجھ کر کہا۔ اچھا تمہارا مطلب ہے آل سیپرٹیس یعني ہر کمرہ دوسرے سے الگ الگ ہے۔
بس اینڈ سیپر یٹس اشتیاق کے چہرے پر احساس برتري کي ایسي جھلک آئي گویا کہہ رہا ہو افواہ کتني دیر سے بات آپ کي سمجھ میں آئي۔
زرینہ پھر ہنسنے لگي میں نے بات ٹالنے کي غرض سے کہا، اور بھي کچھ کام کرتے ہو؟
جي ہاں ایک ٹوتھ پیسٹ تیار کیا ہے میري ٹوتھ پیسٹ۔
یہ میري کون ہے؟زرینہ نے چونک کر کہا۔
شرما کر بولے ۔چھوکري ہے۔
تمہاري منگیتر۔
بھئي نہیں۔ سر ہلا کر بولے ہمارے ہوٹل میں ایک عیسائي بڑھیا کام کرتي ہے،

اس کي چھوکري ہے۔کوکن کے گاؤں میں بڈھي اپني چھوکري کي شادي بناتا ہے۔
تمہارے سنگ ۔زرینہ نے خوش ہو کر پوچھا۔
نہیں کسي عیسائي چھوکرے کے سنگ، ایلفرڈ اس کا نام ہے۔وہ بھي ادھر کوکن کے گاؤں میں رہتا ہے، مگر بڈھي بہت گریب ہے، اس کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم نے میري ٹوتہ پیسٹ نکالا ہے اور اس کو شام کے ٹائم میں جیچتا ہے اور اس پیسہ اس کرسچن بڈھي کو دیتا ہے۔

الو کا جنم کیوں اشتیاق؟ روکنے کے باوجود میري ہنسي میرے سوال سے باہر چھلکتي پڑتي ہے۔
الو کا جنم اس لئے صاحب۔اشتیاق نے گہري سنجیدگي سے کہا کہ اشتیاق کو یعني ظلم کے ہیرو کورات میں نیند نہیؤ آتي ہے۔ھیروؤن کے فراق میں رات رات بھر جاگتا ہے اور الو بھي رات کو جاگتا ہے اس لئے بات سمجھئے ذرا ذرا سوچنے کیا گہري حقیقت بیان کیا ہوں۔
ارے الو کے پٹھے۔زرینہ نے دوپٹا منہ سے نکال کر یکایک چیخ کر کہا۔بھاگ جا یہاں سے ورنہ اپني چپل اتار کر اتنے ماروں گي------اتنے مروں گي-----زرینہ چپل اتارنے لگي اشتیاق بھاگ کھڑا ہوا۔
اشتیاق کا کاروبار ایراني ہوٹل والے کے ہاں خوب چمک گیا۔پہلے وہ صرف سموسے بناتا تھا پھر اس نے ایراني ہوٹل کے مالک کو ڈھرے پر لگا کر اسے شاہي ٹکڑے بیچنے کي ترغیب دي۔بہت سستے میں بن جائے گا۔سیٹھ تمہارے اھر ڈبل روٹي کا کتنا ٹکڑا بے کار میں پھینکتا ہے ہم اس کو کام میں لائے گا خالي شکر کا خرچ ہے اور تھوڑي سي بالائي اشتیاق نے اسے سمجھایا اور تمہارے پاس تین تین ریفریجریٹر ہے۔ایک ریفریجریٹر میں شاہي ٹکڑا رکھے گا۔گاہک کو ٹھنڈا ٹھنڈا سرو کرے گا۔
ایراني مان گیا کیونکہ خرچا بہت کم تھا اس مٹھائي کا پہلے دن اشتیاق نے جو شاہي ٹکڑا بنایا تو وہ دو آنے في ٹکڑے کے حساب سے ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ ایسي عمدہ ڈش جس سے پیٹ بھي بھرے اور مٹھائي کي مٹھائي بھي معلوم ہو ایراني ہوٹل میں بیٹھنے والوں نے آج تک کاہے کو کھائي تھي۔ اب تو یہ حالت تھي کہ اشتیاق کو دن میں دو بار شاہي ٹکڑے تیار کرنے پڑتے اور بکري بڑھتي دیکھ کر ایراني ہوٹل کے مالک نے اشتیاق کو اپنے کچن کا ہیڈ کک مقرر کردیا کچن میں کام کرنے والے نوکر اشتیاق کو استاد جي کہہ کرتے تھے اور ہوٹل کا مالک میں نے دہرا کر پوچھا۔نائے الیون ون پرسنٹ آف دي فایو پرسنٹ آف دي ٹونٹي فایو پرسنٹ آف دي ہنڈرڈ پرسنٹ؟
نو سر۔اشتیاق نے سر ہلا دیا۔
تو اس فلم کے گانے کون لکھے گا۔ تم نے تو شاعري ترک کردي ہے۔
جي اشتیاق نے اپنے ہاتھ کا ناخن دوسرے سے کریدتے ہوئے بولے شاعري تو چھڑ دي ہے مگر اس فلم کے گانے تو مي ہي لکھوں گا، ایک مکھڑا کہا ہے؟

کیا؟
نگاہیں نیچي کئے آنکھوں کے کونوں سے ڈرتے ڈرتے چور نگاھوں سے زرینہ کي طرف دیکھتے ہوئے بولے، صاحب بات یہ ہے کہ غزل سے بیگم نے ہم کو بہت ڈرایا دیا تھاکہ اس کا وزن بہت بڑا ہوتا ہے۔اس لئے ہم نے غزل چھوڑ دیا مگر فلمي گیت ہم دیکھتے ہیں کہ اس کا وزن بہت چھوٹاہوتا ہے کیا مطلب کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں۔اور بیچ بیچ میں میوزک ہوتا ہے۔اس لئے ہم نے فلمي گیت شروع کیا ہے۔اس طرح سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے والا؟
تو سناؤ؟میں نے بے چین ہو کر کہا۔
اشتیاق نے کھنکار کے گلا صاف کیا۔
او صنم او صنم۔
میں نے لیا۔
الو کا جنم۔
تیرے لئے۔
زرینہ کي بري حالت تھي دوپٹا ٹھونستے ہوئے اس کا چہرہ لال ہوتا جا رہا تھا بڑي مشکل سے میں نے اپني ہنسي روکي اور اس سے پوچھا۔مگر
تاکہ اپني چھوکري کي شادي تمہارے سوا کہیں اور کرسکے۔زرینہ نے بے حد تلخ ہو کر پوچھا۔
یکایک اشتیاق سٹپٹا گیا۔ اس کي آنکھوں کي پتلیاں جلدي جلدي گھومنے لگیں۔اس کے ہونٹوں کے کونے تیزي سے پھڑکنے لگے اور گال بھي اندر دھنستے گئے اور اس کا چہرہ ایک ایسي کالي کھوپڑي کي طرح نظر آئے گا۔ جس پر صرف کھال منڈي ہو۔ اسے دیکھ کر مجھے بہت رحم آیا وہ اس وقت زرینہ سے نظریں چرا کر یوں چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے چاروں طرف سے دیواریں اس پر گر رہي ہوں اور اس کے بیچ نکلنے کا کوئي راستہ نہ ہو میں نہ جلدي سے بات کا رخ پھیرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ شعر و شاعري جاري ہے۔
اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔ کیوں؟میں نے پوچھا۔
اب تو ایک فلمي کہاني لکھ رہا ہوں۔اشتیاق نے بڑے فخر سے اعلان کیا۔وہ اپني گھبراہٹ پر قابو پا چکا ہے۔
ہیرو کون ہے؟میں نے پوچھا۔
آشتیاق اپنا نام لے کر بولے۔ ڈبل رول ہے اشتیاق اس کا اس پکچر میں-----
اور ولن کون ہے؟ زرینہ نے پوچھا۔
اور شاید دلیپ کمار نبھا جائے۔اشتیاق سوچ سوچ کر بولے۔ولن کا رول بہت مشکل ہے۔
زرینہ نے ہنسي روکنے کیلے اپنے منہ میں دوپٹا ٹھونس لیا۔
اور ہیروئن ۔میں نے پوچھا۔
فلم انڈسٹري میں کوئي نہیں ہے۔اشتیاق سنجیدہ ہو کر بولے باہر دیکھ رہا ہوں۔
فلم انڈسٹري میں کوئي نہیں ہے؟ میں نے پوچھا پھر اسي کا انگریزي فقرہ اشتیاق کو شاہي ٹکڑے کے مناسبت سے میرے دل کاٹکڑا کہتا تھا۔

اگر میں نے کبھي اشتیاق کے جسم اور روح پر بہار آتے ہوئے دیکھي ہے تو وہ یہي دن تھے۔ اس کے کلے بھرنے لگے اور کالے رخساروں پر صحت اودا پن چھلکنے لگا اور وہ کشتیاں اس کي پتلیوں کي جو اس کي آنکھوں میں ہر وقت بے چین اور مضطرب ہو کر تیرتي رہتي تھي۔ اب بمبئي کے ساحل پر لنگر ڈالتي معلوم ہوتي تھیں جہاں اشتیاق نے ہمیں مکان دلوایا تھا۔اس کے قریب کوئي ایک فرلانگ کے فاصلے پر وہ ایراني کا ہوٹل تھا۔ یہ چوک کے نکڑ پر سامنے ٹیکسیوں کا اڈا تھا اور قریب ہي ایک نئي مارکیٹ کھل گئي۔

صبح سے شام تک اس ایراني ہوٹل میں بڑي بھیڑ رہتي تھي۔ بوٹ پالش کرنے والے اور پان بیچنے والےاور بھیل پوري کي چاٹ بیچنے والے اور آس پاس کے گھروں اور بنگلوں کے نوکر اور چاکر اور کالجوں کے ٹیڈي بوائز اور کام کي تلاش میں گھومنے والے بے کار اور آوارہ گرد لونڈے جو کالج کي لڑکیوں سے زیادہ ٹیڈي معلوم ہوتے ہیں۔ ان سب کا جھمگٹا اس ہوٹل میں اندر اور باہر رہتا تھا اور اس ہوٹل میں اشتیاق بہت پاپولر ہوگیا تھا۔
آتے جاتے میں اسے دیکھتا تھا سہ پہر تک وہ اپنے ملگجے کپڑوں میں کبھي کچن کے اندر کبھي کچن کے باہر مستعدي سے کام کرتا دکھائي دیتا کوئي چار بجے کے قریب وہ نہا کر دھو کر گیروے رنگ کا بنگالي کرتہ اور اس کے نیچے کھلے پائنچوں والا پاجامہ اور چپل پہن کر ایراني ہوٹل کے باہر آکر کھڑا ہوتا۔اس وقت اس کام کي تلاش میں آئے ہوئے ادھر ادھر کے بہت سے لونڈے گھیر لیتے تھے۔
وہ ادھر ادھر کے بنگلوں اور فلیٹوں میں ان لڑکوں کو نوکر کرا دیتا کیونکہ ہاؤس ایجنٹ کا اسسٹنٹ ہونے کي وجہ سے آس پاس کے بلڈنگوں میں اس کي خاصي جان پہچان تھي جن لونڈوں کو وہ نوکري نہ دلوا سکتا، انہیں دوسرے دن آنے کا مشورہ دیتا، پھر چلا جاتا۔پھر بیڑي لگاتا کر لانڈي کے مالک سے باتیں کرتا جو اس کا ہم وطن تھا یعني مراد آباد کا تھا۔ جس کے لئے وہ ایک نہایت ہي عمدہ اور نہایت ہي سستي قسم کا ایسا صابن بنانا چاہتا ہے۔
جس میں خرچا بہت کم آئے اور کپڑے بھي بہت عمدہ دھل جائیں مگر اشتیاق ابھي اپني ایجاد میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔لانڈي سے فارغ ہو کر وہ اپنے ہاؤس ایجنٹ کے ہاں چلا جاتا یا نئے گاہکوں کو لے کر مکان دکھانے کے لئے چلا جاتا، رات کو نو دس بجے فارغ ہو کر ایراني ہوٹل میں کھانا کھاتا اور پھر ایک کپ چائے پي کر اور پھر بیڑي سلگا کر اور پان کھا کر وہ سنتو باورچي کے جھونپڑے میں جاکر سو رہتا کیونکہ اب وہ بڑا آدمي ہو گیا تھا۔
اب وہ ایراني ہوٹل کے باہر نہیں سو سکتا سنتو باورچي کا جھونپڑا بارھویں نمبر ایک سڑک کے پیچھے ایک چھوٹے سے خالي پلاٹ پر تھا۔ اور اس کي بیوي بچہ ہونے کے باوجود اپنے میکے ٹیڑھي گڑھوال کے کسي گاؤں میں گئي ہوئي تھي اور کہیں چار ماہ کے بعد واپس آنے والي تھي۔
تن اشتیاق سنتو کے جھونپڑے میں رہ سکتا ہے۔سنتو نے استاد جي سے کہا۔

شاہي ٹکڑوں کي روز افزوں بکري ديکه کر ميں نے اندازه لگايا ہے اب اشتياق کے قدم يہاں جم جائيں گے۔اس لئے مجھے دو ماہ بعد بڑي حيرت ہوئي۔جب ايراني ہوٹل کے مالک نے مجھے بتايا کہ اس نے اشتياق کو نکال ديا ہے۔
کيوں؟ميں نےپوچھا کوئي غبن کيا ہے۔
نہيں آج تک ايک پيسے کا غبن نہيں کيا۔ايراني ہوٹل کا مالک بولا۔
پھر کيا کام ميں گڑ بڑ کرتا تھا۔
نہيں؟کام اشتياق بہت اچھا کرتا تھا۔
پھر----
ايراني ہوٹل کے مال نے کچه کہنے منہ کھولا اور پھر جلدي سے بند کرليا، پھر ايک ٹھنڈي سانس بھري اور بولا اس کا بھيجا پھريلا ہے ہم اس کو ستر روپيہ پگار ديتا تھا وہ پگار بھي اس نے خرچ کرديا۔
اوپر سے پانچ سو کپ چائے اور دو سو سلائس کا بل ہوگيا۔
پانچ سو کپ چائے اور دو سو سلائس۔ميں نے حيرت سے کہا۔اشتياق تواتنا پيٹو کبھي نہ تھا۔ وہ تو بہت ہي کم خوراک کھاتا تھا۔
ہم جانتا ہے اس لئے تو ہم بولتا ہے ايراني ہوٹل کا مالک خفاء ہو کر بولا وہ خود پانسو تو کيا سات سو کپ پي جاتا تو ہم اسکو منع نہيں کرتا مگر وہ خود نہيں پيتا تھا۔ ادھر ادھر بے کار اور لفنگے لونڈي لوگ کو ادھر ادھر آجو باجو کي بلڈنگوں ميں نوکري بنانے کے لئے آتا ہے وہ ان کو بھوکے پيٹ ديکه کر چائے پلاديتا تھا صاحب ہم جب منع کرتے تو کہتا ميرے حساب ميں لکه دينا لو اب پانسو چائے اور دو سو سلائس کا بل ہوگيا ہے اس کو کس کے حساب ميں لکھے گا۔اس لئے ہم اس کو نکال ديا۔
بہت اچھا کيا۔ايراني کے آگے پيسے گنتے ہوئے رکھتے ہوئے کہا۔ ايک ڈبيا کيونڈر کي دو۔
عجيب مغز پھيريلا ہے اس آدمي کا۔ايراني نے ميرے پيسے گنتے ہوئے کہا۔دو پيسے کم ہے۔
ساري۔کہہ کر ميں نے جيب ميں ہاتہ ڈالا کر اسے دو پيسے اور دئيے اور کيونڈر کي ڈبيا لے کر اس سے پوچھا۔تو آج کل اشتياق کہاں ہے۔
جيل ميں ہے۔
جيل ميں؟ميں حيرت سے ايراني کي طرف ديکھنے لگا۔تم نے اس بيچارے کو جيل بھيجوادیا؟
ہم نے کہاں پھنچايا ہے۔صاحب وہ تو کرني سے گيا ہے۔ شراب کي اسمگلنگ کے دھندے ميں۔
اچھا۔يہ دھندا نہيں کرتا صاحب۔مگر ہمارا باورچي سنتو اپنے خالي ٹائم ميں يہ دہندا کرتا تھا اور ادھر ادھر کي بلانگوں ميں رات کو باٹلي پہنچاتا تھا۔ايراني بولا۔پھر ايک رات پوليس نے اس کے جھونپڑے پہ چھاپہ مارا۔چہ باٹلي پکڑا گيا تو اشتياق بولا کہ سنتو بے گناہ ہے ميں نے چہ بوتل ادھر شراب لاکے رکھا تھا اس واسطے اشتياق کو تين مہينے کے سجا ہوگئي ہے۔

اس نے ایسا کیوں بول؟
وہ بولا۔ہمارا کیا کام ہے ہم اکیلا آدمي ہے۔تین مہینے کي سجا چٹکي بجا کے کاٹ لے گا، مگر جب سنتو کي گھر والي اپنے بچے کو لے کر اس کے چھونپڑے میں آئے گي تو جالي جھونپڑا دیکھ کر روئي گي۔
ایراني ہوٹل کا مالک اپنے سر پر انگلي رکھ کہ بولا۔ بھیجا پھیریلا ہے اس کا؟
زرینہ کو خیال آیا کہ جیل سے رہا ہوتے ہي اشتیاق ہمارے گھر آئےگا لیکن جب تین ماہ سے اوپر کئي دن گزر گئے اور اشتیاق نہ آیا تو اسے کچھ مایوسي سي ہوئي۔مایوسي مجھے بھي ہوئي پھر بھي میں نے سوچا کہ اشتیاق ہمارے گھر نہیں آئےگا تو ممکن ہے ادھر ادھر ایراني ہوٹل کے باہر ضرور دکھائي دے گا پر ادھر بھي نہیں۔سنتو باورچي سے پوچھا ۔معلوم ہوا کہ اس کے ہاں بھي نہیں آیا۔پھر دونوں نے سوچا ممکن ہے اشتیاق مارے شرم کے یہ علاقہ چھوڑ گیا ہو۔یا بمبئي سے کہیں باہر چلا گیا ہو۔جب دو ڈھائي ماہ اور گزر گئے تو اشتیاق نہ آیا تو ہمارا یہ خیال پکا ہوگیا۔

پھر ایک روز ہم نے یکایک اسے ایک دعوت میں دیکھا، سردار زور آر خان کے ہاں ہماري دعوت تھي، جن کي بیوي نصرت میري بیوي کي خاص سہیلي تھیں۔ ہم نے تو کھانے کے شروع کے دو لقمے کھاتے ہي سمجھ گئے تھے کہ یہ کس کا اسٹائل تھا۔ لقمہ چکھتے ہي میں نے زرینہ اورزرینہ نے میري طرف چونک کر دیکھا مگر ہم دونوں چپ رہے کھانے کے بعد جب دعوت کي تعریفیں ہونے لگیں تو کچن سے خراماں خراماں اشتیاق بر آمد ہوئےکالي پتلون کے اوپر لال بش شرٹ اور اس کے اوپر بھورے رنگ کا ایک میلا ایپرن پہنے ہوئے اور سر جھکائے کو کورنش بجا لاتے ہوئے، شاعروں کے انداز میں داد بٹورنے لگے۔
نہ میں نہ زرینہ نے اس وقت انہیں پہچانا مناسب سمجھا اشتیاق نے بھي اس وقت ہمارا ریہ سمجھ کر مکمل اجنبیت اختیار کي۔
بعد میں نصرت نے زرینہ کو الگ لے جا کر بتایا۔بہت اچھا کک مل گیا ہے۔ مجھے اشتیاق احمد خان نام ہے اس اپني طرف کا ہے قاضي خیل کا پشتو بہت اچھي بول لیتا ہے حالانکہ بچپن ہي سے ادھر رہا ہے، پھر کھانا غضب کا پکاتا ہے، کچن میں بڑي بچت سے کام لیتا ہے، جب سے یہ آیا ہے۔ میرے کچن کا خرچ ڈھائي سو روپے کم ہوگیا ہے پورے ڈھائي سو روپے سنتي ہو؟ میں اس کو صرف ستر دیتي ہوں حالانکہ سو بھي دو تو سستا رہے گا۔
زرینہ انجان بن کر بولي۔آدمي شریف معلوم ہوتا ہے۔
ارے شریف اسیا شریف....نصرت اشتیاق کي تعریف کرتے ہوئے بولیں میرے بچوں پر تو جان چھڑکتا ہے او میرے سب سے چھوٹے بچے نجو کو تو دل و جان سے چاہتا ہے کوئي سگمي ماں اس کي کیا خدمت کرے گي جیسي وہ نجو کي کرتا ہے ابھي چار دن کي بات ہے کہ نجو موٹر مانگ رہا تھا۔میں نے کہا لادوں گي، میں ٹال رہي تھي کیونکہ گھر میں دو کھلونے موٹر کے پہلے ہي

پڑے ہیں۔ذرا پرنے ہیں تو کیا ہوا۔
نصرت زرینہ کا ہاتھ پکڑ کر وشي سے بولي۔یہ موا اشتیاق دس روپے کي موٹر میرے نجو کے لئے لے آیا۔
تو میں نے غصے سے جھلاکر کہا میں تو اس موٹ رکے پیسے نہیں دوں گي۔
تو موا بولا نہ دیجیئے گا۔ بیگم صاحب میں تو اپنے پیسوں کي موٹر لایا ہوں، نجو کے لئے، اس پر وہ غصے سے گرج کر بولے تم کو کس نےکہا تھا، نجو کے لئے موٹر لانے کو تو اشتیاق پہلے تو ان کي گرج سن کر سہم گیا۔ پھر بولے سر اٹھا کر بولا، صاحب میں نجو کا کہنا نہیں ٹال سکتا،جو کہیں گے ضرور لاؤں گا۔ اس نے ایسے مضبوط لہجے میں ان سے بات کي کہ ان کا سارا غصہ اتر گیا۔ مسکراتے ہوئے ایک طرف کو سرک گئے میں بھي کیا بولتي بہن؟ چپ ہوکر سروتے سے سپاري کاٹنے لگي۔
زرینہ خاموشي سے مسکرا مسکرا کر نصرت کي باتیں سنتي رہیں۔مگر اس نے ایک دفعہ بھي نہیں بتایا کہ وہ اشتیاق کو جانتي ہےکہ نہیں نہ اگلے ایک سال میں اشتیاق نے ایک بار بھي بتایا کہ وہ ہم کو جانتا ہے ، ہم نےسوچا کہ بے چارہ جہاں لگا ہے لگا رہے اس کي خامیاں بتانے ے کیا فائدہ؟ اور خان صاحب کے ہاں رہ کر اشتیاق بہت ٹھیک ہوتا چلا گیا، ماتھے پر بال نہیں لٹکتے تھے، ذہني طور پر بہت کم غائب رہتا تھا۔ کپڑے صاف ستھرے پہنتا تھا، شعر و شاعري ترک کردي تھي۔ دن بھر یا تو کچن میں رہتا یا خان صاحب کے بچوں کي دیکھ بھال کرتا حالانکہ ان کي دیکھ بھال کے لئے دو آیائیں الگ سے مقرر تھیں، مگر بچے جس قدر اشتیاق سے مانوس ہوگئے تھے۔اتنے گھر کے کسي ملازم سےنہ تھے۔میں نے اور زرینہ نے سکھ کا سانس لیا، چلو اشتیاق نارمل تو ہوا۔
ایک رات زور کي گھنٹي بجي کوئي تین بجے کا وقت تھا میں نے گھبرا ر دروازہ کھولا سردار زور آور خان کا ڈرائیور حامد خان تھا۔
حضور جلدي چلئے۔بیگم صاحبہ نے گاڑي بھیجي ہے۔
کیا بات ہے حامد؟ میں نے پوچھا۔
اشتیاق نے زہر کھالیا ہے۔
ارے میرے منہ سے نکلا۔
ہاں صاحب اشتیاق نے زہر کھا لیا ہے۔اور خان صاحب پونا میں ہیں۔ گھر پر بیگم صاحب کے دو بھائي ہیں مگر ان کي سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جائے، ڈاکٹر مقصود کو ٹیلي فون کیا تھا۔بیگم صاحب نے مگر وہ بولے یہ پولیس کیس ہے میں نہیں آسکتا اور اشتیاق مر رہا ہے۔
زرینہ میرے پیچھے کھڑي تھر تھر کانپ رہي تھي لرزتے ہوئے لہجے میں بولي تم جلدي سے چلے جاؤ، بے چاري نچرت سخت پریشان ہوگي؟۔
خان صاحب کے ڈرائنگ روم میں عین مرکز میں فرش پر سر سے پاؤں تک ڈھکي ہوئي ایک لاش رکھي ہوئي تھي۔ اور نصرت اور ان کے بھائي بہن اور گھر کے دوسرے ملازم حیرت سے سم بکم کھڑے تھے۔کیا مر گیا؟

میے منہ سے بے اختیار نکلا۔
نہیں ابھي تو زندہ ہے۔ ایک آیا آہستہ سے سسکتے ہوئي بلي۔
میں نے چادر ہٹا کر نبض دیکھي سینے کے زیرو بم میں نرخرے کي گھر گھراہٹ تھي، اور نبض ٹوٹ رہي تھي۔نصرت ایک بھوري شال اوڑھے دنیا و فہیما سے بے نیاز پھٹي پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکه رہي تھي۔
کب اس نے زہر کھایا؟ میں نے نصرت سے پوچھا۔
نصرت کچه نہیں بولي جیسے اس نے میرا سوال سنا تک نہ ہو، نصرت کا چھوٹا بھائي بولا،کوئي دو بجے کے قریب میں نے اپنے بستر کے قریب کسي کي آواز سني اور کوئي آہستہ آہستہ سے مجھے جھنجھوڑ رہا تھا جب جاگا تو معلوم ہوا اشتیاق ہے وہ باورچي خانے سے رینگتا میرے کمرے میں پہنچا تھا اور مجه سے کہہ رہا تھا۔
مجھے بچا لیجئیے۔ میں نے زہر کھالیا۔
میں نے پوچھا۔کون سا زہر؟
بولا۔ٹک ٹو۔
ٹک ٹو کیا۔
ٹک ٹو ٹک ٹو۔اس کي زبان لڑکھڑا رہي تھي۔اور آوازمیں لکنت تھي وہ کیا کہنا چاہتا تھا ٹیک ٹونٹی لیکن اس کے منہ سے حرف نکلنا تھا صرف ٹک ٹو پھر وہ میري چارپائي سے لگ کر قے کرنے لگا میں‌نے مزید داستان سننابے کار سمجه کر فورا کہا اسے اٹھا کر نیچے گاڑي میں فورا ڈال کر اسپتال لے جائیں گے؟

مگر پولیس، نصرت کانپ کر بولي۔
پولیس کو وہیں سے اطلاع کردیں گے میں نے کہا۔نزدیک کا اسپتال کون سا ہے جانا وتي۔
یہاں سے کتني دور ہوگا۔
کوئي چار میل۔
جلدي کرو۔
جس وقت چار آدمیوں نے مل کر اشتیاق کو پہلي منزل سے نیچے اتارا اس وقت ہلکي ہلکي بارش ہورهي تھي۔سڑک کے کنارے کنارے روشني کے قمقمے پاي میں بھیگے ہوئے یوں سر جھکائے کھڑے تھے جیسے اپني زرد زرد زندگي پر رو رہے ہوں، بھیگي ہوئي سڑک پر کہیں کہیں روشني کے پھٹے چیتھڑے نظر آتے پھر اندھیرا انہیں کھا جاتا پھر پھر تنگ و تاریک گڑھوں کي ماري ہوئي ایک سڑک پر کاریوں لڑکھڑا کر چلنے لگي جیسے ایک عورت اپني عصمت لٹا کر رات کي اوٹ میں اپنے گھر کي طرف بھاگ رہي ہو۔
ایمرجنسي وارڈ میں۔
اے فارم بھرو۔
بي فارم بھرو۔

زندگي۔تم بھي رکو۔
اشتياق کا سر بھورے رنگ کے آئل کے گدوں پر ٹکا ہے اس کي آنکھيں کسي گہرے بھورے گڑھے ميں جا گري ہيں ان پر يادوں کا ٹرک گھوں گھوں کرتا ہوا چل رہا تھا۔
پچھتر روپيہ ايڈوانس دو۔
يہ رسيد لو۔
وٹھل۔ مريض کو کمرہ نمبر ۷ ميں لے جاؤ اوپر لفٹ سے ميں ابھي ڈاکٹر کوٹھاري ٹيليفون کرتا ہوں۔
باہر سے کوئي ٹرک گزرتا ہےگھوں گھوں اشتياق کا سينہ ہو نکتا ہے ہوں ہوں۔
آئل کلاتھ کا بھورا بستر اپنے بالوں ميں لگي ہوئي ربڑ کي چرغيوں کے ذريعے رہٹ کي جانب حرکت کرنے لگتا ہے۔ لفٹ اوپر کي منزل پر جا کر رک جاتي ہے۔بستر بر آمدے سے گزر رہا ہے۔ کمرہ نمبر سات کے اندر جاتا ہے۔ ايک ڈاکٹر اور دو نرسيں اندر آتي ہيں۔سات نمبر کا پردہ گرادیا جاتا ہے ايک ڈاکٹر اور دو نرسيں اندر آتي ہيں۔اور ہم باہر بينچ پر بيٹھ جاتے ہيں۔
لمبےکو ريڈيو ميں بے آواز نرسيں خاموشي سے گھوم رہي ہيں اردلي نيند کي غننوگي سے بيزار ٹہل رہے ہيں کہيں کہيں ہولے کوئي کراہتا ہے کوئي دھيرے دھيرے سسکتا ہے۔
اشتياق نے زہر کيوں کھايا؟ ميں پوچھتا ہوں---
غبن کيا ہوگا۔نصرت کا چھوٹا بھائي اندازہ لگا کر کہتا ہے۔
بہن نے ہولے ہولے گھر کا ساراخرچا اشتياق کے سپرد کرديا تھا۔اور ہر وقت چار پانسو روپے اشتياق کي جيب ميں رہتے تھے کل بہن نے اشتياق سے حساب دينے کو کہا تھا۔ آج اس نے زہر کھا ليا ميرا خيال ہے کہ۔
تمہارا خيال غلط ہے۔ نصرت کا دوسرا بھائي بولا، اشتياق ميں دس برائياں ہوں، مگر وہ چور نہيں ہے آج تک اس نے ايک دھيلے کي چوري نہيں کي،ميرے خيال ميں پچھلے ہفتے جو مرادآباد سے اسے اطلاع ملي تھي۔کہ اس کے آبائي مکان والے مقدمے کا فيصلہ اس کے خالف ہے معلوم ہوتا ہے اس کا غم اسے بہت ہوا ہے۔
اجي۔ نہيں بڈھا حامد اپني گھني بھنوؤں پر ہاتھ پھر کر بولا اشتياق کو مکان دکان پيسے سے کبھي محبت نہيں تھي يہ سب اس لونڈيا کا چکر ہے گلشن کا۔
گلشن۔ ميرے کان کھڑے ہوئے گلشن کون ہے؟ ميرے ذہن ميں ايک بلي کودنے لگي۔
ايک نئي آيا رکھي ہے صاحب نے بڑي بد صورت لونڈيا ہے۔ مگر سولہ سترہ برس کي ہے۔ بھاگ بھاگ کام کرتي ہے۔اس کا نام گلشن ہے اور صاحب ہم نے سنا ہے کہ اشتياق کي پہلي بيوي کا نام بھي گلشن تھا۔
ارے۔ ميں چونک گيا۔
وہ کسيے؟
پہلے تو صاحب سے کہتے رہے اس لڑکي کو نکال دو يہ کام ٹھيک سے نہيں

کرتي ہے۔ پھر ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس وجہ سے اس کو نکلوانا چاہتا ہوں کہ اس نام گلشن ہے میں نے کہا بھلے مانس اس کا نام گلشن ہے تو کیا ہوا۔
کام تو ٹھیک کرتي ہے مگر اشتیاق نہیں مانے برابر اس کي شکایت کرتے مگر جب صاحب کسي طرح نہیں مانے تو معلوم نہیں کب انہوں نے ہار ماني اور کب اشتیاق نے رویہ بدلا، یہ اس لڑکي پر مہربان ہوگئے۔دوسرے نوکر چاکر تو چائے پیتے تھے۔ یہ اسکو کافي پلاتے تھے۔جو صرف صاحب اور بیگم صاحب پیتي ہیں۔ پھر ایک دن گلشن کو جو پتہ چلاکہ اسکو کافي ملتي ہے اور دوسرے نوکروں کو چائے ملتي ہے۔
تو ایک دم بدک گئي اور اس دن سے اس نے کافي پینے سے انکار کردیا ایک دن اس نے اشتیاق کو بازار سے دیسي گھي صابن لانے کو کہا تو اس کے لئے انگریزي صابن لے آئے، اس نے کھوپرے کا تیل لگالیا۔ تو گلزار ھئیر آئل اٹھا لائے کل گلشن کي ماں کا خط آیا تھا۔جو بیگم صاحبہ نے پڑھ کر سنایا تھا۔
اب اشتیاق کي تو عادت تھي چوروں کي طرح دروزے پر کھڑے ہو کر سننے کي۔گلشن کي ماں نے لکھا تھا اس نے اس کي شادي کي بات چیت مکمل کر لي ہے۔لڑکا کسي سیمنٹ فیکڑي میں دربان ہے، یہ خالي باورچي تھے۔وہ انہیں منہ کیا لگاتي بس جب سے یہ سنا کچن ہي میں بیٹھے بیٹھے ٹھنڈي ٹھنڈي سانیس لے رہے تھے۔ اور مجھ سےکہتے تھے اب جینا بیکار ہے۔یہ آج دوپہر کي بات ہے۔رات کو انہوں نے زہر کھا لیا۔۔۔۔حامد اتنا کہہ کر چپ ہوگئے۔

میں نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد پوچھا۔مگرزہر کھانے سے پہلے اس کمبخت نے لڑکي سے کوئي بات نہیں کي؟
بالکل نہیں صاحب۔حامد خفاء ہو کر بولے۔بالکل یکطرفہ عشق تھا۔دس دن تو ہوئے ہیں۔گلشن کوآئے ان دس دنوں میں انہوں نے اس لڑکي سے نفرت بھي کي دوستي بھي کي محبت بھي کي پھر آپ ہي آپ مر بھي گئے۔ سب کچھ دس دنوں میں کرلیا۔ اس لڑکي کو تو کچي خبر ہي نہیں ہے صاحب۔وہ تو ایسي بدصورت ہے ایسي بھیجے کي خالي ہے کہ اسے تو گمان تک نہیں گزر سکتا کوئي اس سے عشق کرسکتا ہے۔
حامد چونکہ بڈھے تھے اور زندگي کے اس دور سے گزر رہے تھے جب کوئي کسي سے محبت نہیں کرسکتا ہے۔ اس لئے داستان سناتے وقت ان کے لہجے کي شدید تلخي جس طرح ان کي مجبوري کي غمازي کررہي تھي اس سے مجھے بڑا لطف آیا۔
کوئي ساڑھے چھ بجے کے قریب ڈاکڑ کوٹھاري کمرہ نمبر سات سے برآمد ہوئے، اور مجھے دیکھ کر بولے، ابھي کچھ کہا نہیں جاسکتا، مگر اگلے چوبیس گھنٹے اس پر بہت نازک ہیں۔ میں نے اس کا معدے صاف کردیا ہے۔گلوکوز کے سیلائین پر رکھ دیا ہے کھانے کو دوا دے دي ہے انجکشن دے دئیے ۔کچھ لکھ دئیے ہیں۔

شکریہ ڈاکڑ صاحب۔مگر کیا مریض اس وقت ہوش میں ہے۔
ہوش میں تو ہے مگر ابھي بہت کمزور ہے ابھي زیادہ لوگ اس سے نہ ملیں تو بہتر ہوگا، ڈاکڑ نے میري طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، صرف آپ اس سے چند منٹ کے لئے مل لیں۔میں نے تھانے ٹیلیفون کردیا ہے۔کسي وقت بھي پولیس انسپکٹر اس کا بیان لینے کے لئے آسکتا ہے کیونکہ مریض کي حالت بہت نازک ہے۔
اتنا کہہ کر ڈاکڑ کو ٹھاري چلے گئے۔ تو نصرت کا چھوٹا بھائي بر فروختہ ہو کے بولا، خان صاحب گھر پر نہیں ہیں۔اور یہاں پولیس کے سامنے نہ جانے کس کس کے بیان ہونگے۔الو کے پٹھے کو اتني عقل نہیں آئي کہ اگر مرنا ہي تھا تو سمندر میں ڈوب کے ہي مرجاتا، کسي گاڑي کے نیچے آکر مرجاتا، کہیں مرجانا اس گھر سے دور رہ کر ہي مرتا اور یوں ہي ہم سب کو پریشان کرکے تو زہر نہ کھاتا۔
بجا فرمایا آپ نے۔ مرنے والوں کو ہمیشہ اپنے بعد زندہ رہنے والوں کي سہولت کا خیال کرکے مرنا چاہئیے۔اس سلسلے میں اگر آپ رہمنائے خود کشي شائع کریں، تو بتوں کا بھلا ہوگا، اتنا کہہ کر کمرہ نمبر سات میں داخل ہوا۔
اتفاق سے اس کمرے میں کوئي نہیں تھا۔نرس کوئي دوا لانے کے لئے گئي تھي۔اشتیاق گہرے تکیوں میں سر جھکائے لیتا تھا۔اس کے دائیں بازو کي رگ میں سیلائین جا رہا تھا، دوسرا بازو اس کے سینے پر تھا۔ اس کي آنکھیں بند تھیں اس کے سیاہ چہرے کے پچھے سفید تکیوں سے پرے کھڑکي کي پلکوں پر بارش کے قطرے لرز رہے تھے اور کانچ کي سطح پر روشني اور سائے امید و بیم کي کشمکش طرح لرزاں تھے۔
اشتیاق میں نے اس کے بستر کے قریب جاکر سرگوشي میں کہا۔اشتیاق سنو میں پھر ذرا اونچي سرگوشي میں کہا۔کان کھول کر سنو میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ نرس آرہي ہے۔
اشتیاق نے آنکھیں کھولیں اور جب میں نے دیکھا کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے تو مین نے اس کے قریب جھک کر کہا،کسي وقت بھي پولیس انسپکٹر تمہارے پاس بیان قلم بند کرنے کے لئے آجائے گا، اس سے صرف یہ کہنا ہو گا کہ تمہارے پیٹ میں درد تھا اور تم امرت دھارا لے کر سو گئے تھے اتفاق سے کچن میں تمہارے سرہانے ٹونٹیکي شیشي بھي پڑي تھي۔وہ بھي اتني ہي بڑي تھي۔ جتني امرت دھارا کي اس لئے رات کو جب تمہارے پیٹ کا درد بڑھا تو تم نے غلطي سے امرت دھارا کي جگہ ٹیک ٹونٹی پي لي غلچي سے پي لي بس اور کچھ مت کہنا، سمجھے ہو۔
اشتیاق نے میري طرف دیکھ کر خاموشي سے سر ہلا دیا، آنکھوں کي پتلیاں نیم ساکت،ہونٹ اندر بھنچے ہوئے رخساروں کے گڑھے گہري اور اتھاہ تاریکي میں کھوئے ہوئے، سینہ کھلا اور اجاڑ خشک بالوں سے ڈھکا ہوا۔کسي ویران جزیرے کے مانند اور دبلي پتلي پسلیاں کسي شکستہ معبد کي سیڑھیوں کي طرح زندگي کے سوکھے تالاب کي طرف جاتي ہوئي۔

اشتیاق۔اشتیاق تم نے ایسا کیوں کیا؟میں نے اس کے سر پر جھک کر پوچھا۔ اس کا چہرہ دیر تک بالکل ساکت رہا، جیسے اس نے میرا سوال نہ سنا تھا۔ پھر اس کا ہاتھ اس کے سینے پر سرکنے لگا دھیرے دھیرے وہ اپنا سینہ اپني انگلیوں سے سہلاتے ہوئے ہوا کي سي سرگوشي میں بولا سینہ خالي ہے۔
سینہ خالي ہے۔کتني صدیوں سے انسان کا سینہ خالي ہے اور انسان کا یہ خالي سینہ دم نہ بھر سکے۔ مسیح نہ بھر سکے اور حسین نہ بھر سکے تو تم کیا بھر سکو گے احمق باورچي ارے اس سینہ کے اندر خوف ناک گڑھے ہیں اور گہري کھائیں، کیسے کیسے خلا بھر جائے پہلے تو تم نے اس زنخے نواب کو اس میں پھیکا پھر ایک بلي کو دم سے باندھ کر دم سے اٹکا دیا۔ پھر سیکنڑوں کپ چائے کے اس میں انڈیل دئیے اور ڈبل روٹیاں کاٹ کاٹ کر اس اندر پھینکتے رہے۔ تم میري ٹوتہ پیسٹ بناتے رہے۔ اور خود بے گھر رہ کر دوسروں کے لے بھر ڈھونڈتے رہے۔ اور اپنے بچوں کي مایوسي میں دوسروں کے بچوں سے محبت کرتے مگر تم گلشن کو کبھي بھول نہ سکے اور کسي طرح یہ خلا پر نہ ہوسکا۔ گلشن گلشن تم کانٹے چنتے رہے اور بے قرار اور مضطرب ہو کر ایک پیشے سے دوسرے پیشے کي چکي میں گھستے ہے تاکہ کسي طرح تم وہ خلا بھر سکو۔جسے صرف ایک عورت کي محبت بھر سکتي ہے------پگلے
نرس اندر آگئي، میں نے ایک لمحے کیلئے اشتیاق کا خاموش ستا ہوا بدہئیت چہرہ دیکھا۔ تکیوں کے پیچھے بند کھڑکي کي پلکوں سے چند قطرے ہوا سے لرز کر ٹوٹے اور کانچ کے رخساروں پر بہتے ہوئے چلے گئے----میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

دُعاگو
شاھدریاض

shahid.riaz@gmail.com